UNIVERSAL LIBRARY
OU_226080
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—2273—19-11-79—10,000 Copies.

OSMANIA UNIVERSIT LIBRRAY

Call No. ۹۲۲۲ ش ۲ Accession No. 15563

Author شبلی

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

الکلام

حصۂ دوم

یعنی علم کلام جدید جس مین اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال
کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہے

مصنفہ

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ایما

مدیر "شبلی بک ڈپو لکھنؤ"

باہتمام حامد حسن علوی

در نیئر پریس پاٹانالہ لکھنؤ طبع شد

مضمون کتاب	صفحہ
اسپریچولزم	۹۶
خرقِ عادت کے متعلق بوعلی سینا کی راے	۱۰۳
محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت	۱۰۵
عیسائیون کا یہ دعوی کہ آنحضرتؐ نے توریت و انجیل کی تعلیم پائی تھی	۱۰۷
عقاید مین تقلید کرنا شرک ہے	۱۰۸
تفصیلی عقائد	۱۰۹
وجود باری کی نسبت تمام اہل مذاہب کی غلطیان	״
توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال	۱۱۰
نبوت	۱۱۱
سزا و جزا	۱۱۲
عبادت	۱۱۵
مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیان	״
حقوق انسانی	۱۱۹
خودکشی کا مسئلہ	״
اسلام نے خودکشی کو مٹایا	״
تمام دنیا مین قتل اولاد کسی نہ کسی صورت مین رائج اور جائز تھا	۱۲۰
اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا	״
عورتون کے حقوق اور رومن لا	۱۲۱
اسلام نے عورتون کو کیا حقوق دیے	۱۲۲

مضمون کتاب	صفحہ
وراثت	۱۲۹
اسلام کے قواعد وراثت تمامتر اصول عقلیہ پر مبنی ہین	۱۳۰
اسلام نے غیر مذہب اور غیر قومون کو کیا حقوق دیے	۱۳۲
بقیہ عقائد	۱۳۴
مسائلِ عقائد کی نوعیت	۱۳۵
مسائل عقائد جو قرآن مین مذکور نہین	۱۳۶
وہ امور جو قرآن مین مذکور ہین لیکن انکی کیفیت مذکور نہین	۱۳۸
تاویل کی حقیقت	۱۳۹
وہ اسرار جنکا فاش کرنا منع ہے انکی پانچ قسمین ہین	۱۴۳
تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ	۱۵۲
لفظ محال کی غلط تعبیر نے وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی	۱۵۵
تاویل درحقیقت تاویل نہین	۱۵۷
روحانیات یا غیر محسوسات	۱۵۹
روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے	۱۶۰
شریعت مین جو امور خلاف عقل ہین انکے اقسام	۱۶۹
فی الرؤیا والوحی والالھامات والمعجزات والکرامات علی رای الحکماء	۱۷۲
واما الوحی والالھام	۱۷۴
امام غزالی کی کتاب معارج القدس مین وحی کی حقیقت	״

مضمون کتاب	نمبر صفحہ
اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہین	
بلکہ مؤید ہے۔	۱۷۶
مذہب کو کن وجوہ سے دنیاوی ترقی کا مانع	
کہا جاتا ہے	〃
اسلام	۱۷۷
ترقی تمدن کے جو اصول ہین سب اسلام	
مین پائے جاتے ہیں	۱۸۰
مساوات	۱۸۴
مذہبی بے تعصبی	۱۸۵
اپنی آپ عزت کا خیال	۱۸۹
حکومت جمہوری	۱۹۰
تقسیم عمل	〃
انسانون کا مختلف المراتب ہونا	۱۹۱
علمی ترقی کی انتہا نہ ہونی	〃
دین و دنیا کا باہمی تعلق	۱۹۲

مضمون کتاب	نمبر صفحہ
رہبانیت کا مٹانا	۱۹۳
دُنیا کا مرتبہ	۱۹۴
قرآن مجید مین مال و دولت کو کن الفاظ	
سے یاد کیا ہے۔	۱۹۵
ضمیمہ	
بحث۔ نبوت از مطالب عالیہ	
امام رازی۔	۹۷
بحث نبوت از معارج القدس امام غزالی	۱۱
امام رازی کی تقریر مذکورۂ بالا کا اُردو خلاصہ	۲۲۹
معارج القدس کی عبارت مذکورہ	
بالا کا اُردو ماحصل	۲۴۲
نبوت کے خواص	۲۴۷
نبوت کی دوسری خاصیت	۲۵۱
نبوت کا تیسرا خاصہ	۲۵۲
خاتمہ	۲۵۳

دیباچہ

مذہب اسلام تین چیزون کے مجموعہ کا نام ہے۔
عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد مین اصل الاصول دو ہین، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب مین ان ہی دو اصول سے بحث ہے، باقی مباحث تبعاً اور ضمناً آ گئے ہین۔

قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا مہمات عقائد مین ہے لیکن اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اس لیے اس حصے مین مین نے اس سے بحث نہین کی، بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لیے اٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہوگا۔

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب مین آجائے گا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدون مین پورا ہو جائے گا، متکلمین کی سوانح عمریان اس سلسلہ سے الگ ہین خدا ان کے اتمام کے بھی اسباب بہم پہونچائے۔

شبلی نعمانی
حیدرآباد دکن

نتوان زگفتگو بحقیقت رسید لیک افسانۂ زگوہر نایاب سفتنی ست۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ دوم

علم کلام جدید

حامداً ومصلیاً

جدید علم کلام کا مایۂ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین وہی قدیم علم کلام ہے تاہم اس کی تدوین وترتیب جس حیثیت سے ہونی چاہیے اس کے لحاظ سے اس کو جدید بھی کہہ سکتے ہین۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف تاخین ہین ان مین جو طریقہ حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود نہین۔ملل ونحل۔کتب کلامیہ اور تفسیر کبیر مین جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور ہین، ان تمام اقوال کو اس استقصا کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آ جائین۔

متاخرین میں سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھون نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ وہی کتابین عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات ومعتقدات دوسری کتابون مین ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائین مثلاً علم کلام مین امام غزالیؒ کی متعدد تصنیفات ہین قواعد العقائد۔اقتصاد۔تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ لیکن انھون نے خود جا بجا مختلف کتابون مین تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات مین جو باتین مذکور ہین وہ اصلی حقائق نہین ہین بلکہ عوام کے عقائد محفوظ رکھنے کے لیئے ہیں۔

امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ کتب متداولہ مین انھون نے اصل حقیقت ظاہر نہین کی

جواہر القرآن مین جہان علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہین

؎ جواہر القرآن کا [illegible] نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ اجزا [illegible] چھپ گئے ہیں اور یہ عبارت اسی [illegible] ہے۔

اَلثَّانِی هُوَ مُحَاجَّةُ الْکُفَّارِ وَ مُجَادَلَتُهُمْ وَمِنْهُ یَنْشَعِبُ عِلْمُ الْکَلَامِ الْمَقْصُوْدِ لِرَدِّ الضَّلَالَاتِ وَالْبِدَعِ وَ اِزَالَةِ الشُّبُهَاتِ وَیَتَکَفَّلُ بِهِ الْمُتَکَلِّمُوْنَ وَهٰذَا الْعِلْمُ قَدْ شَرَحْنَاهُ عَلٰی طَبَقَتَیْنِ سَمَّیْنَا الطَّبَقَةَ الْقَرِیْبَةَ مِنْهَا الرِّسَالَةَ الْقُدْسِیَّةَ وَالطَّبَقَةَ الَّتِیْ فَوْقَهَا الْاِقْتِصَادَ فِی الْاِعْتِقَادِ وَمَقْصُوْدُ هٰذَا الْعِلْمِ حِرَاسَةُ عَقِیْدَةِ الْعَوَامِّ عَنْ تَشْوِیْشِ الْمُبْتَدِعَةِ وَلَا یَکُوْنُ هٰذَا الْعِلْمُ مَلْیًا بِکَشْفِ الْحَقَائِقِ وَبِجِنْسِهٖ یَتَعَلَّقُ الْکِتَابُ الَّذِیْ صَنَّفْنَاهُ فِیْ تَهَافُتِ الْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِیْ اَوْرَدْنَاهُ فِی الرَّدِّ عَلَی الْبَاطِنِیَّةِ فِی الْکِتَابِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُسْتَظْهِرِیْ وَفِیْ کِتَابِ حُجَّةِ الْحَقِّ وَقَاصِمِ الْبَاطِنِیَّةِ وَکِتَابِ الْمُفَصِّلِ لِلْخِلَافِ فِیْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ

دوسرا علم - کافروں سے بحث ومجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ بدعتوں کو رد کیا جائے اور شبہے زائل کیے جائیں اور اس علم کے متکفل متکلمین ہیں - اور ہم نے اس علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہے اسکا نام رسالہ قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اس کا نام الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا عوام کے عقیدہ کو بدعتوں کی رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا ہے اور اس علم میں حقائق ظاہر نہیں کیے جاتے - اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جسکا نام تہافۃ الفلاسفہ ہے اور مستظہری جو باطنیہ کی رد میں ہے اور حجۃ الحق - وقاسم الباطنیہ وکتاب المفصل للخلاف فی اصول الدین -

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے امام صاحب کی کتابیں خود اس بات کی شہادت دے رہی ہیں وہی عقائد جن کو کتب کلامیہ میں بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہیں، دوسری تصنیفات میں اُن کی نسبت لکھ دیتے ہیں کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے -

جن تصنیفات میں امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور اُن کے حقائق بیان کیے ہیں ان کو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہیں، خدا کی ذات - صفات - افعال - اور قیامت کے متعلق عقائد کو اُنھوں نے احیاء العلوم وغیرہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواہر القرآن میں لکھتے ہیں کہ

وَهٰذِهِ اُصُوْلُهُمْ اَرْبَعَةٌ اَعْنِیْ عِلْمَ الذَّاتِ

یہ چاروں علوم یعنی علم ذات وصفات وافعال ومعاد

وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَعِلْمِ الْمَعَادِ اَوْدَعْنَا
مِنْ اَوَائِلِهِ وَجَامِعِهِ الْقَدْرَ الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْهُ
مَعَ قُصُوْرِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَالْاٰفَاتِ
وَقِلَّةِ الْاَعْوَانِ وَالرُّفَقَاءِ بَعْضَ التَّصَانِيْفِ
لٰكِنَّا لَمْ نُظْهِرْهُ فَاِنَّهُ يَكِلُّ عَنْهُ اَكْثَرُ الْاَفْهَامِ
وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الضُّعَفَاءُ وَهُمْ اَكْثَرُ الْمُتَوَسِّمِيْنَ
بِالْعِلْمِ بَلْ لَا يَصْلُحُ اِظْهَارُهُ اِلَّا عَلٰى مَنْ اَتْقَنَ
عِلْمَ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِيْ قَمْعِ الصِّفَاتِ
الْمَذْمُوْمَةِ مِنَ النَّفْسِ طُرُقَ الْمُجَاهَدَةِ حَتّٰى ارْتَاضَتْ
نَفْسُهُ وَاسْتَقَامَتْ عَلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ فَلَمْ يَبْقَ
لَهُ حَظٌّ فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَبْقَ لَهُ طَلَبٌ اِلَّا الْحَقَّ
وَرُزِقَ مَعَ ذٰلِكَ فِطْنَةً وَقَّادَةً وَقَرِيْحَةً
مُنْقَادَةً وَذَكَاءً بَلِيْغًا وَفَهْمًا صَافِيًا وَحَرَامٌ
عَلٰى مَنْ يَقَعُ ذٰلِكَ الْكِتَابُ بِيَدِهِ اَنْ
يُظْهِرَهُ اِلَّا عَلٰى مَنِ اسْتَجْمَعَ فِيْهِ هٰذِهِ الصِّفَاتُ

انکی ابتدائی اور جامع اصول، جہانتک مجکو معلوم ہوسکے
مین نے بعض تصنیفات مین درج کیے۔ باوجود اسکے کہ فرصت کم
اور آفتین بہت تھین، اور دوست و مددگار کم یاب تھے
لیکن ان تصنیفات کو مین نے ظاہر نہین کیا کیونکہ اکثر لوگ
اُن کو سمجھ نہ سکتے اور اُن سے اُن کو نقصان پہونچتا اور
مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہین، ان تصنیفات کو صرف
ان لوگون کے سامنے ظاہر کرنا چاہیئے جنکو علم ظاہر مین
کمال حاصل ہوچکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور
کرنے مین اسقدر کوشش کرچکے ہون کہ ان کا نفس رام
ہوگیا ہو اور دُنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو،
اور طلب حق کے سوا ان کی اور کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب
باتون کے ساتھ ذکی الطبع۔ خوش فہم۔ حدید الذہن
سلیم الطبع ہون جس کے ہاتھ مین یہ تصنیف پڑجائے
اسپر حرام ہے کہ کسی شخص کے سامنے اُس کو ظاہر کرے
بجز ایسے شخص کے جسمین یہ تمام صفات جمع ہون۔

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کرو۔ فرماتے ہین کہ اصلی حقائق لوگون کے سامنے بیان کیے جائین تو اُن کی سمجھ مین نہ آئین اور اُن کو نقصان پہنچائین" اس پر شاید کسی کو خیال ہوتا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علما کے سامنے اظہار حقائق میں کیا تامل ہوسکتا ہے اس لیے جتادیا کہ آج کل جو علما ہین وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہین۔

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہین کہ دُنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہو"
اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر، عوام برہم ہوتے ہین، اس لیے

اس منصب کا وہ مستحق ہے جس کو عوام کی کچھ پروا نہ ہو۔

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات مین تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اصلی خیالات اکس کس غیر معمولی پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین، **ابن رشد** نے اپنی تصنیفات مین صاف لکھ دیا ہے کہ جمہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنی چاہئین

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو سربہ مُہر رکھا تھا ان کو وقف عام کردے۔

قدیم علم کلام مین صرف، عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے مین مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہین جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہین۔ انکے نزدیک، تعدد نکاح۔ طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب مین جائز ہونا۔ اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام مین اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی۔ اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا۔

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ مین بیان کیجائین کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل مین اُتر جائین۔ قدیم طریقہ مین، پیچ در پیچ مقدمات منطقی اصطلاحات اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل مین یقین اور وجدان کی کیفیت نہین پیدا ہوتی تھی۔

غرض جدید علم کلام کے ترتیب دینے مین، ان ہی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر مین تخصیص کے ساتھ ان بزرگون کے نام بتا دینے بھی ضرور ہین۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہین۔ اور وہ یہ ہین۔ ابو مسلم اصفہانی۔ قفال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی۔ ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ۔

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دُنیا مین ایک غُل مچ گیا ہے کہ علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کردی ہے۔ فلسفہ اور مذہب کے معرکہ مین ہمیشہ اس قسم کی صدائین بلند ہوتی رہی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہین، لیکن آج یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلسفۂ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کرسکا بخلاف اسکے فلسفۂ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لیے مذہب کسی طرح اُس کے مقابلہ مین جانبر نہین ہوسکتا۔

یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اُٹھ کر تمام دُنیا مین گونج اُٹھی ہے لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت مین مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہوگیا ہے۔

یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جسمین طبعیات۔ عنصریات فلکیات۔ الٰہیات مابعد الطبیعہ۔ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اُصول پر اسکے دو حصے کردیے، جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہوگئے ان کو سائنس کا لقب دیا جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہین اس مین پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزین قطعی اور یقینی ہین وہ صرف سائنس کے مسائل ہین اور یہی وجہ ہے کہ یورپ مین انکی نسبت طبقۂ علما مین کسی قسم کا اختلاف نہین لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہین ہے، یورپ مین آج فلسفہ کے بیسون اسکول ہین، اور ان مین اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہوسکتی ہے اور سیاہ بھی۔

اب دیکھنا چاہیے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے۔ سائنس جن چیزون کا اثبات

یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہین، عناصر کس قدر ہین؟ پانی کن چیزون سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کسقدر طبقات ہین؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہین، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہین، مذہب جن چیزون سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہین، خدا موجود ہے یا نہین؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہین؟ خیر وشر یا نیکی وبدی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ثواب وعقاب ہے یا نہین؟ ان مین سے کون سی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزون کا علم نہین یا یہ کہ یہ چیزین مشاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہین، یا یہ کہ ہم ان باتون کا یقین نہین کرتے کیونکہ ہم صرف ان باتون کا یقین کرتے ہین جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوسکتی ہین، کوتاہ نظر عدم علم سے علم عدم سمجھ جاتے ہین۔ سائنس والے کہتے ہین کہ ہم کو یہ چیزین معلوم نہین، کوتاہ بین اسکے یہ معنے لیتے ہین کہ ہم کو ان چیزون کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونون باتون مین زمین وآسمان کا فرق ہے۔

یورپ مین تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لیے ہین اور ہر فرقہ اپنے کام مین اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیزون سے مطلق غرض نہین۔ ان مین ایک فرقہ مادیین کا (میٹریلیسٹ) ہے جس کا موضوع بحث مادّہ ہے۔ اس گروہ نے مادّہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کیے ہین۔ یہی فرقہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا۔ خدا کا۔ روح کا منکر ہے، لیکن درحقیقت وہ ان باتون کا منکر نہین بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان چیزون کا ثبوت ہمارے دائرۂ تحقیقات سے باہر ہے، پروفیسر لیتر LETTRE جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہے، لکھتا ہے کہ چونکہ ہم کائنات کی آغاز اور انجام سے ناواقف ہین اسلیے ہمارا یہ منصب نہین کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کرین جس طرح ہمارا یہ کام بھی نہین کہ ہم اس کو ثابت کرین۔ مادّی مذہب اپنے آپ کو عقل اوّل کے

وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اس کے متعلق کسی قسم کا علم نہین۔ ہم حکمت الٰہی کے نہ مُنکر ہین نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے۔"

فرانس کے ایک طبّی رسالہ مین ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ "ادراک اور فکر اس فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ مین ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت۔ اخلاص شرافتِ نفس، یہ سب اعضائے انسانی کی کہربائی تموّجات ہین" اس پر فرانس کے ایک مشہور فاضل کامل فلامریان نے جو طبعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس مین اس نے مضمون نگار سے خطاب کیا۔

"یہ کس نے تم سے کہا؟ لوگوں کو گمان ہوگا کہ تمھارے اُستادون نے تم کو یہ سکھایا ہوگا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہین، مین نہین جانتا کہ یہ بیہودہ دعویٰ زیادہ تر قابلِ تعجب ہے؟ یا مدعیانِ علم کی جرات؟ نیوٹن جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے" کیپلر کہا کرتا تھا کہ "تم ان چیزون کو فرض کرلو" بخلاف اس کے تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ثابت کرتے ہیں" "ہم باطل کرتے ہین" "یہ موجود ہے یہ معدوم ہے" "علم نے یہ فیصلہ کردیا ہے" "علم نے یہ ثابت کردیا ہے" حالانکہ تمھارے ان دعوون مین علمی دلائل کی جھلک بھی نہین۔ تم اپنی حماقت سے دلیری کرکے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتین تم کہتے ہو اگر علم کے کان مین پڑجائین (اور پڑنی ہی چاہئین کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمھاری حماقت پر اس کو ہنسی آجائے گی تم کہتے ہو کہ "علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ آمر ہے۔ ناہی ہے" یہ باتین کہکر غریب علم کے ہونٹون پر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھ دیتے ہو جس سے ممکن ہے کہ اُس کے دل مین غرور آجائے۔ عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل مین سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار" یہ ہے ماہرین فن کی رائے، لیکن بعض کم درجہ کے مادیین، اپنی حد سے بڑھ کر نفی کا دعوے بھی کر بیٹھتے ہین، اور ان ہی کی ملمع کاریاں ہیں جس نے ہمارے مُلک کے نوجوانوں کی آنکھون کو خیرہ کردیا ہے، اس لیے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعوے پر کس قسم کے

دلائل قائم کرتے ہین۔ مثال کے لیے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود سے کے متعلق اُن کے اقوال نقل کرتے ہین۔

ڈاکٹر شفلر SHEFFLER کہتا ہے کہ "روح مادّہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے" دیرشو کا قول ہے کہ "روح ایک قسم کی میکانکل حرکت ہے" بوشنر BUCHNER کہتا ہے کہ "انسان صرف مادّہ کا ایک نتیجہ ہے۔" دو بوا ریمان DU:BOIS:REYMOND کہتا ہے کہ "تمام اعصاب مین ایک کہربائی قوت پایا جاتا ہو اور جس کو فکر کہتے ہین وہ مادہ ہی کی ایک حرکت کا نام ہو" دو ترشیہ DU:D:TROSHE جو فزیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ "زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہیں بلکہ ایک اتفاقی استثناء ہے جو مادّہ کے عام اصولون کے مخالف ہے" فرانس کے ایک مشہور میگزین نے ایک مضمون مین بیان کیا تھا کہ دماغ مین جو فاسفورس ہے فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو، اخلاص۔ شجاعت اور فضیلت کہتے ہین وہ اعضاے جسمانی کی کہربائی میلانیان ہین۔ کیا یہ رائین قطعیات مین شمار ہو سکتی ہین کیا ان کی بنا پر یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ علوم جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہین، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہین اور مذہب کو جن چیزون سے بحث ہے، سائنس کو ان سے کچھ غرض نہین، فلسفہ البتہ کہین کہین مذہب سے ٹکرا جاتا ہے، لیکن قطعیات اور یقینیات مین اس کا شمار نہین وہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف اسکول ہین اور ان اسکولون مین باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ ان مین سے بعض خدا کے منکر ہین تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہین، وجود روح کے مقر بھی ہین اور منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہین اور دوسرے کے نزدیک کچھ اس حالت مین مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

ہمہ دیدی کہ در دشمن اُفتاد جنگ

خلط مبحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب سائنس اور مذہب دونون مین سے کوئی اپنی حد سے بڑھ کر دوسرے کی حد مین قدم رکھتا ہے اور یہی خلط مبحث تھا جس نے ملاحدہ اور منکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی۔ بلکہ درحقیقت اسی خلط مبحث نے الحاد اور بیدینی سے خیالات پیدا کر دیے۔ یورپ مین پہلے مذہب کو اسقدر وسیع کر دیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہین سکتا تھا، چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے اسپین مین مجلس انکویزیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہون ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر اور ارتداد کا الزام لگائے، چنانچہ اٹھارہ برس مین یعنی ۱۴۸۱ء سے لے کر ۱۴۹۹ء تک دس ہزار دو سو بائیس آدمی ارتداد کے الزام مین زندہ آگ مین جلا دیے گئے، اس مجلس نے ابتداے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیون کو کافر اور ملحد قرار دیا جن مین سے کئی لاکھ آگ مین جلا دیے گئے۔

جس قسم کی باتون پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا کوپرنیکس نے نظام بطلیموسی سے انکار کرکے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہین۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتویٰ نافذ کیا کہ یہ رائے کتاب مقدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنیکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلیو نے جو دور مین کا موجد گذرا ہے ایک کتاب کوپرنیکس کی حمایت مین لکھی جس مین ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتویٰ دیا کہ وہ مستوجب سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹنون کے بل کھڑا کرا کر یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیج دیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔

کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی اُمید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کا ارادہ مذہب کے خلاف ہے۔

زمین کے کروی ہونے کا خیال جب اوّل اوّل ظاہر کیا گیا تو پادریون نے سخت مخالفت کی،

کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے۔

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریوں نے کفر وارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اُٹھان تھا ان کی کوششین بے کار گئین، اور علوم وفنون تکفیر ہی کے سایہ مین پھولے اور پھلے۔

پادریوں کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبا نہ سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریون ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے ان کی رائے قائم ہوگئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے، یہی ابتدائی خیال ہے، جس کی آواز بازگشت آج تک یورپ مین گونج رہی ہے۔

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ مین کسی طرح نہین ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہدیا تھا کہ اَنتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنیاکُم یعنے تم لوگ دُنیا کی باتین خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دُنیا سے متعلق ہین معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہین

اس موقع پر نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام مین سیکڑون فرقے پیدا ہوئے اور ان مین اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتون پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات اور اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہین کی گئی۔ قدمائے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اُسی سے پانی لیتے ہین اور برساتے ہین، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ مین غروب ہوتا ہے، زمین مسطح کروی نہین۔ ستارے جو ٹوٹتے ہین شیاطین کے شعلہ ہائے آتشین ہین، مفسرین ان تمام باتون کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر مین نقل کیے ہین۔

لیکن جب عباسیون کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات نے ترقی کی تو لوگون نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ مین سے ایک شخص نے بھی ان لوگون کو کافر و منکر قرآن نہین کہا، معتزلہ کو محدثین اس بنا پر کافر کہتے ہین کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہین

لیکن اس بنا پر کوئی اُن کو کافر نہین کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہین، غرض جس حد تک تحقیق تفتیش کی جائے۔ عموماً یہ ثابت ہو گا کہ مسلمانون نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہین سمجھا۔ بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات اور مسائل ہیئت وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہین اور انبیا کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہین۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

وَمِنْ سِيْرَتِهِمْ اَنْ لَّا يَشْتَغِلُوْا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيْبِ
النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْاُمَّةِ كَبَيَانِ اَسْبَابِ حَوَادِثِ
الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوْفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ
وَالْحَيْوَانِ وَمَقَادِيْرِ سَيْرِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَاَسْبَابِ
الْحَوَادِثِ الْيَوْمِيَّةِ وَقِصَصِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُلُوْكِ
وَالْبُلْدَانِ وَنَحْوِهَا اَللّٰهُمَّ اِلَّا كَلِمَاتٍ يَسِيْرَةً
اَلِفَتْهَا اَسْمَاعُهُمْ وَقَبِلَتْهَا عُقُوْلُهُمْ يُؤْتٰى بِهَا
فِي التَّذْكِيْرِ بِاٰلَاءِ اللّٰهِ وَالتَّذْكِيْرِ بِاَيَّامِ اللّٰهِ
عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِطْرَادِ بِكَلَامٍ اِجْمَالِيٍّ يُسَامَحُ
فِيْ مِثْلِهِ بِاِيْرَادِ الْاِسْتِعَارَاتِ وَالْمَجَازَاتِ
وَلِهٰذَا الْاَصْلِ لَمَّا سَاَلُوا النَّبِيَّ عَنْ لِمِّيَّةِ
نُقْصَانِ الْقَمَرِ وَزِيَادَتِهِ اَعْرَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى
عَنْ ذٰلِكَ اِلٰى بَيَانِ فَوَائِدِ الشُّهُوْرِ فَقَالَ
يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

انبیا کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے تعلق نہین رکھتے ان مین وہ مشغول نہین ہوتے مثلاً بارش۔ گرہن اور ہالہ کے اسباب بیان کرنا یا نباتات اور حیوانات کے عجائبات یا چاند سورج کی رفتار یا روزانہ حوادث کے اسباب۔ یا انبیا اور سلاطین کے قصّے، یا شہرون کے حالات بیان کرنا۔ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے مگر ان چند معمولی باتین جن سے لوگون کے کان آشنا ہو چکے ہین اور انکی عقلون نے ان باتون کو قبول کر لیا ہے ان باتون کو بھی انبیا علیہم السلام خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگون نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت دریافت کی تو خدا نے اس کے جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینون کی تعیین کا بیان کر دیا چنانچہ فرمایا یسئلونک الخ۔

شاہ صاحب نے انبیا کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب اسلام کو، سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہونچنے کا احتمال ہے۔

مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہے

انسانؑ اور حیوان کا مقابلہ کرو۔ حیوان اپنے ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان کا لباس ان کے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنون سے مقابلہ کرنے کے لیے پنجے۔ ناخن۔ ڈنک۔ کے ہتھیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہین۔ جن غذاؤن پر اس کی زندگی کا مدار ہے، پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف۔ جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہین۔

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہین ہوتا اس کی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤن کمزور ہوتے ہین، جسم پر کوئی لباس نہین ہوتا دشمن سے حفاظت کے لیے سینگ یا پنجے نہین ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزین اسکے گرد و پیش ہوتی ہین، سب کی سب اُسکی دشمن نظر آتی ہین، آفتاب کی گرمی، بادلون کی جھڑی، اولون کی لپیٹ، جاڑون کی ٹھنڈک؟ ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات سے مقابلہ کرنے کے لیے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتھیار نہین دیا کیونکہ جن ہتھیار اور پُر زور دشمنون کا اس کو سامنا کرنا تھا اُسکے لیے کوئی جسمانی آلہ کافی نہین ہو سکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتھیارون کے بدلے ایک ایسی عام قوت عطا کی جس کے ذریعہ سے اُس نے ہر قسم کے دشمنون کے مقابلہ کے لیے بیدا سامان تیار کیے دھوپ گرمی۔ جاڑے، سے محفوظ رہنے کے لیے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانورون کے

سلہ اس موقع پر یہ جتا دینا ضرور ہے کہ اس حصہ مین ہم نے جابجا یورپ کے حکما اور علما کے اقوال نقل کیے ہین لیکن ہم نے انکی اصلی تصنیفات کے دیکھنے کی زحمت نہین اٹھائی ہے۔ بلکہ مصر کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فرید وجدی بک ہے اس بحث مین اسکی دو تصنیفین یعنی تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ اور الحدیقۃ الفکریہ [illegible] یاد رکھنا چاہیے کہ جن یورپین فاضلون کے اقوال نقل کیے گئے ہین ان مین سے اکثر جرمن اور فرنچ کے علما ہین ہمارے نئے تعلیم یافتہ احباب کو جو انگریزی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین جانتے تو اس سے متعلق غلطی نہ کرنی چاہیے۔

مقابلہ کے لیے تیغ و خنجر تیار کیے۔ دریاؤں پر پُل باندھے۔ پہاڑ تراشے۔ لوہا پگھلایا۔ برق کو مسخر کیا ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُس کے پنجۂ اقتدار میں تھی۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے۔ لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسان کی ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچکر ٹھہرنے نہ پائیں۔ اس لیے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہیں لینے دیتی، وہ اسکے مخالفون کو نئے نئے ہتیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کیے جاتے ہیں، جن بیماریون کا علاج معلوم ہوچکا تھا، ان کے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ دُنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہوچکا تھا اسکے علاوہ نئی آبادیون کا پتہ لگتا ہے اور وہان نئے ضروریات پیش آتے ہیں۔ آرام و آسائش کے جو سامان مہیا ہوچکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھکر وہ سامان بے کار ہوجاتے ہیں، مجبوراً انسان ان نئے مخالفون کے مقابلہ کے لیے نئی تیاریان کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے۔

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیوں کی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑون ہزارون نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قائم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنون کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے اس کو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیان رہتی ہیں۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کرلیا جائے۔ کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفون کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی گردنیں جھک نہ جائیں، آرام نہ لے۔ خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دُنیا میں کسی کا پردۂ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنون سے بچانے کے لیے ایک حد تک عقل کام آتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کرے گا تم کسی کو برباد کرنا چاہوگے

تو وہ بھی چاہے گا۔ تم دوسرون کی عزت نہ کروگے تو وہ بھی نہ کرین گے لیکن اولاً تو اس قسم کی پیش بین عقل۔ خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہوسکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہین جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل اُن پُرزور مخالفون کا مقابلہ نہین کرسکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہی، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو اُن دشمنون کے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام **نور ایمان، کانشنس**، حاسۂ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ **قوت**، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے۔ عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی، اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اسمین برابر کے حصہ دار ہین اور یہی معنی ہین قرآن کی اس آیت کے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ	اپنا مُنھ سب طرف سے موڑکر دین کی طرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہی
فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ	جسپر خدانے انسان کو مخلوق کیا ہے، خدا کی خلقت مین تغیر نہین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہین

جرمن کا ایک حکیم گسلر لکھتا ہے "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسے کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ مین کبھی معدوم نہین ہوسکتا"۔ فرانس کا مشہور فاضل معلم **رینان** جو مذہب کا پابند نہ تھا اپنی کتاب "تاریخ مذہب" مین لکھتا ہے، کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہین اور کل وہ چیزین جو لذائذ زندگی مین محسوب ہین مٹ جائین لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دُنیا سے معدوم ہوجائے یا اُس کی قوت مین زوال آجائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا کہ مادّی مذہب (میٹریلسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے۔

---

[1] یہ دونون قول۔ تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین مذکور ہین۔

پروفیسر بیتیر SABATER فلسفۂ دینیہ مین لکھتا ہے "مین کیون پابند مذہب ہون؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہین سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات مین سے ہے، لوگ کہین گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج، کا اثر ہے - مین نے خود اپنی رائے پر بھی اعتراض کیا ہے - لیکن مین نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہین ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے - مذہب کے شاخ وبرگ ہزارون دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہین لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اس نے نئے برگ وبار پیدا کر لیے ہین، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جو کبھی زائل نہین ہو سکتی مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہین انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت[1] پائے گی"

دُنیا کی اخلاقی نظم ونسق کو اسی حاسۂ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم وتدبر پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اسیقدر تمام دُنیا سے بھاری ہوگیا ہوتا جسقدر تعلیم وتمدن مین اس کا پایہ بلند ہے،

دُنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان - قوم - ملک - صورت - رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائین گی، ان مین ایک مذہب ہوگا اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے - جن چیزون کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہین مثلاً اولاد کی محبت - انتقام کی خواہش - کمال کی قدر دانی، وغیرہ وغیرہ ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہین کہ تمام دُنیا کے آدمیون مین مشترک پائی جاتی ہین - اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہین کہ دُنیا مین ہر قوم - ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب، فطری چیز ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہین وہ تمام مذاہب مین یکسان پائے جاتے ہین خدا کا وجود، اس کی پرستش کا خیال -

مذہب کے فطری ہونیکی سب سے بڑی دلیل

---

[1] الندوہ سال اول صفحہ ۱۵۵ -

خیال - حیات بعد الموت - اعمال کی جزا و سزا - رحم دلی - ہمدردی - عفت کا اچھا سمجھنا - جھوٹ - دغا - زنا - چوری کو بُرا جاننا - دنیا کے تمام مذہبون کا اصل اصول ہے -

فطرت نے افراد انسانی مین بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے - دولت و مال - جاہ و حشم فضل و کمال، ذہن و ذکا - کے عطا کرنے مین ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اُس سے زیادہ ہو نہین سکتی، سکندر و تیمور - ارسطو و افلاطن - ہومر - و فردوسی، اسی فیاضی کے نمونے ہین دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور بندر مین اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ ڈارون کو نظر تک نہین آتا - باینہمہ جو باتین شرط زندگی اور مدار حیات ہین وہ تمام افراد انسانی مین یکسان عطا کی ہین - افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسی طرح کھاتا پیتا - چلتا پھرتا سوتا جاگتا - بولتا چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے -

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ - جو تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہے لازمۂ انسانی تھا - اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا، ارسطو اور فیثاغورث سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، علم اچھی چیزین ہین، لیکن افریقہ کا ایک وحشی - بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزون کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے -

مذہب اسلام

مذہب اسلام

یہ تو ثابت ہو چکا کہ مذہب فطری چیز ہے، یعنی جس طرح انسان مین ہمدردی محبت جوش، انتقام - قدرتی جذبات پائے جاتے ہین اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص مین کم کسی مین زیادہ - کسی مین ضعیف، کسی مین بہ شدت، اور شاذ و نادر افراد مین بالکل نہین پائے جاتے، بعینہ مذہب کا یہی حال ہے،

لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) حاسۂ مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلیے مذہب کا جسقدر حصہ تمام انسانون مین یکسان مشترک ہے

وہ نہایت سادہ مجمل ۔ اور ناتمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اسکی صاف اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لیے، کھانا ۔ پینا، گرمی سردی سے بچنا، ضروری ہے اسلیے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنی سے ادنے آدمی کے لیے بھی مُہیّا کیا ہے، لیکن یہ ضرور نہین کہ یہ سامان اعلےٰ درجہ کے بھی ہون، کھانے کے لیے سدرمق رہنے کے لیے خس کا جھونپڑا، لباس کے لیے درختون کے پتے بھی مہیا ہو گئے تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھکر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل بیش بہا ملبوسات، سب کے لیے ہونے ضرور نہین فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔

یہی حال مذہب کا ہے ۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین، نبوت کا اعتراف، لازمۂ انسانی تھا اسلیے سب فرقون مین مشترک رہا اور اس مین کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہین لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہین ؟ کس قسم کی عبادت فرض ہے ؟ کیون فرض ہے ؟ معاد کی کیا حقیقت ہے ؟ جزا و سزا سے کیا غرض ہے ؟ نبوت کے کیا معنے ہین ؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب مین یکسان نہین مل سکتا ۔ اس میں فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے ۔

تمام مذاہب مین سے کسی ایک کی ترجیح کی وجہ

یورپ مین منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہو گیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے ان کے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ مین سوالات مذکورۂ بالا کا صحیح اور مکمل جواب نہین پاتے ۔

پروفیسر لاروس Larousse مذہب کی مخالفت کرتے ہوے لکھتا ہے،

" اگر ہم کہتے ہین کہ اُن باتون کا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل مین آئین تو ہم سے کہا جاتا ہے نہین، ہرگز نہین، عقل کو جو نیک و بد کی ممیز ہے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہان تک کہ جب عقل کی آنکھین اسقدر اندھی کر دی جاتی ہین کہ خرق عادت ایک معمولی بات بن جاتی ہے، سفید سیاہ ہو جاتا ہے، بدنما چیز خوشنما

یورپ کو مذہب سے نفرت کیون ہے

ہو جاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈال دو" کس کے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہیں۔ فطری فرائض کے آگے؟ نہیں احساسات اندرونی کے آگے؟ نہیں، اصول فطرت کے آگے؟ نہیں"[1]

مانسیو بنجمن کانستان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان کر کے لکھتا ہے کہ "مذہب جن بنیادوں پر قائم ہوا ہے وہ علم کے مخالف ہیں اور اس لیے یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائیں گے"

برتلو BORTOLO لکھتا ہے "علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور اس بات کا خوف نہیں رہا کہ مذہب اس کو دبا لے"

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالف ہیں اس لیے وہ صحیح نہیں ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جس کے تمام اصول عقل کے موافق ہوں تو منکروں کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا۔ اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام دیانتہ طبیعتہ" رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب موجودہ غلط ہیں لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جس کے اصول حسب ذیل قرار دیے جائیں تو وہ بے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکے گا۔ فطری مذہب

ژول سیمان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے۔

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنے ہیں؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور یہی فطری عبادت ہے" فطری مذہب کا خاکہ

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۱۴۲

"یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں۔"[1]

لارڈس کہتا ہے،[2] اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جن کا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اسی طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لابدی چیز ہے"

ایک اعلیٰ مذہب کے کیا اصول قرار پاسکتے ہیں

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے، ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید کو۔

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو،

(۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا ہمارے تکلیفات شاقہ اُٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دُنیوی، فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے۔

ہم اس کتاب میں اوّل ان ہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہیں۔

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۳۰

[2] تطبیق صفحہ ۲۵ و ۲۶

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام مذاہب مین عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دُنیا مین آج جس قدر مذاہب موجود ہین ان سب مین تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ "مذہب مین عقل کو دخل نہ دو" یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان مین سے کوئی چیز اس کی جباری کو کم نہین کرسکتی، اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق فلسفہ ریاضیات مین سیکڑون عجیب وغریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیان نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ "ایک تین ہین اور تین ایک" تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کُند اور بیکار ہوجاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہوکر، جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلان بُت پر مین نے نذر چڑھانے کی جو منت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب مین سیکڑون حکما وعلما پیدا ہوتے ہین لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہین پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہین پہنچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال پر قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم مین چھپ جاتے ہین، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے، یہی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالون کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہوجانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہے کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ خود برباد ہوجائے" یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے کہ "اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائین کہ دُنیا مین آج تک جس قدر

مادی دماغی اور اخلاقی ترقیاں ہوئی ہین اُن کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا۔"

اسلام کی تلقین

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

قرآن مجید مین یہودیون، عیسائیون، بت پرستون اور ملحدون کو سیکڑون جگہ مختلف طریقون سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے اُن کو منوانا چاہا ہے اور تقلید پرستی کی سخت بُرائی کی ہے۔ مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ - (یوسف)	آسمان اور زمین مین کسقدر بیشمار نشانیان ہین، لیکن یہ لوگ انپر گذر جاتے ہین۔ اور اُنکی طرف رخ نہین کرتے۔
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (سورہ اعراف قبل رکوع اخیر)	ان کے دل تو ہین لیکن اُن سے سمجھ کا کام نہین لیتے۔
اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵)	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہی کے پیچھے پیچھے چلے جائین گے۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ -	اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کے باب مین بےعلمی کیساتھ جھگڑتے ہین
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ -	کیا یہ لوگ، قرآن پر غور نہین کرتے۔
اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کے کارخانہ کو (غور سے) نہین دیکھتے

یہ تمام آیتین تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق تھین مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق اسلام نے جو تلقین کی وہ عقل کی بنا پر کی

نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی۔

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ.	اپنا مُنھ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی وہ فطرت ہے جسپر خدا نے لوگون کو پیدا کیا ہے خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اُسکے یہ طریقے بتائے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ — اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگون کو بلاؤ حکمت سے نصیحت سے اور اُن
الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ — لوگون سے بحث کرو بہ طرز پسندیدہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہان کہین بیان کیے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اُس کی عقلی دلیل بیان کی - خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہین کہ اس کتاب مین اسکا احاطہ نہین ہو سکتا وحدانیت کو اس طرح ثابت کیا -

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا — اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو دونون مین فساد آجاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی -

اَفَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ — کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہین رکھتا -

رسول اللہ صلعم کی نبوت پر مخالفون کو جو استعجاب تھا اس کو اس طرح رفع کیا -

قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ — کہدو کہ مین پیغمبرون مین سے کوئی انوکھا نہین

معاد کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا -

قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ - کہدے کہ وہی زندہ کریگا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا
اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — کیا جس نے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہین
بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ — کہ اُن جیسے، اور پیدا کردے ؟-

معاد کی ضرورت اس طرح ثابت کی -

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ — کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یون ہی بیکار پیدا کیا
اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ - — اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے -

غرض خواہ نفسِ مذہب، خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد، جس چیز پر یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی، اور ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ اُن عقائد کو بلا دلیل تسلیم کرلو -

اس موقع پر یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ آجکل زمانہ کے مذاق کی وجہ سے،

تمام اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہین کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ خود ان کا دعوے ہے یا اُن کے مذہب نے بھی ایسا دعوے کیا ہے۔

اسلام کے سوا۔ دُنیا مین اور کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہین کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہیے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

وجود باری

وجود باری پر قدما کا طریقہ استدلال

خدا کے اثبات پر قدما اس طرح استدلال کرتے تھے کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہین ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اسلیے اس کی زیادہ چھان بین نہین کی گئی، لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزین جو عالم مین موجود ہین، دو چیزون کا مجموعہ ہین۔ مادّہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اُس کی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسی نہ کسی صورت مین ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو کاغذ جل کر راکھ ہو جائے گا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کرو کسی نہ کسی صورت مین وہ قائم رہے گی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جا سکتا ہے۔

اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہین، اور جب عالم کا حدوث ثابت نہین تو استدلال بھی صحیح نہین، ارسطو نے اس

اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزا مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہین یا گھٹتے ہین اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزون کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہین اُنکے اجزا بھی بدلتے رہتے ہین یعنی پُرانے اجزا فنا ہوتے جاتے ہین اور اُن کے بجاے نئے آتے جاتے ہین، اجزا کا بدلتا رہنا، بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لیے تمام عالم متحرک ہے

ارسطو کا استدلال

اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لیے کوئی محرک ہو، اب دو صورتین ہے، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا یعنی اخیر مین ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیا کی محرک ہے اور خود متحرک نہین، یہی خدا ہے، یا یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا، اس صورت مین غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا لیکن اس کی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے اس بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت مین حرکت سے استدلال کیا۔ حکماے اسلام مین سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے۔

بوعلی سینا کا طریقہ

بوعلی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل نہ ہو سکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہین، اس لیے اُس نے یہ رائے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونون قدیم ازلی ہین تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جا سکتا ہے، کیونکہ علت و معلول مین زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بوعلی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لیے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہین، مثلاً کنجی کی حرکت قفل کے کھل جانے کی علت ہے لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے مین ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہین،

متکلمین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی مین خلل انداز ہوتا

اس لیے انھون نے عالم کے حدوث کا دعویٰ کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لیے پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے۔

متکلمین کا استدلال

(۱) عالم مین دو قسم کی چیزین پائی جاتی ہین۔ عرض یعنی جو چیزین بذات خود قائم نہین، بلکہ جب پائی جاتی ہین تو کسی دوسری چیز مین ہو کر پائی جاتی ہین مثلاً بو۔ رنگ۔ مزہ۔ رنج خوشی جوش جوہر یعنی وہ چیزین جو بذات خود قائم ہین۔ مثلاً پتھر۔ مٹی پانی۔

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جواہر ہین کسی نہ کسی صورت اور ہیئت مین ہوتے ہین اور صورت و ہیئت عرض ہین، تمام جواہر مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے جس قدر افراد ہین اُن مین کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضرور ہے اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا۔

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزین جو لازم و ملزوم ہون اُن مین سے ایک چیز اگر قدیم ہو گی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم مین فصل زمانی لازم آئے گا اور یہ محال ہے،

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عالم دو صورت سے خالی نہین، جوہر ہو گا یا عرض اور جوہر و عرض دونون حادث ہین۔ عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جوہر اس لیے حادث ہے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لیے کوئی علت ہو، اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لیے بھی کوئی علت درکار ہو گی اس صورت مین اگر یہ سلسلہ کہین جا کر ختم ہو گا تو وہی خدا ہے، اور نہ ختم ہو گا تو دور و تسلسل لازم آئے گا اور دور و تسلسل محال ہے۔

متکلمین کا یہ استدلال فرفوریوس (پارفیریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام مین نقل کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال اُس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہین ہوسکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہین بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہیے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ عالم قدیم ہے، اور علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہے یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہین لیکن ان کا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پہ استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئیگا ہم کہتے ہین کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہین آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے متکلمین نے اور بھی بہت سی دلیلین قائم کی ہین لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے غیر متناہی کے محال ہونے پر حکما اور متکلمین نے بہت سے دلائل قائم کیے ہین لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت مین جاری ہوتے ہین جب مانا جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے، لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہین کہ ہر علت فنا ہو کر اُسکے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے رسالہ زوراء کی شرح مین دعوی کیا ہے کہ اس صورت مین بھی دلیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ گو علتین فنا ہوتی جاتی ہین لیکن انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہین اور جو چیز محال نہین وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہین، علتون کا اجتماع گو محال بالذات نہین، لیکن محال بالغیر ہوسکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا۔

ان دلائل مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اُن سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو

اُسکا فاعل با اختیار ہونا ثابت نہین ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل (کاناٹ وی کاز) کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لیے یہ ضرور نہین کہ اُس سے معلول بہ ارادہ اور بہ اختیار صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو بہ اختیار نہین پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بو علی سینا بھی اُن ہی کا ہمزبان ہے۔

ان تمام تقریرون سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کرسکے اور متکلمین بھی چونکہ ان ہی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے۔

اب دیکھو قرآن مجید نے اس عقیدہ کو کیونکر حل کیا۔

وجود باری

پر

قرآن مجید کا طریقۂ استدلال

خدا کا خیال انسان کی فطرت مین داخل ہے

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے، علم الانسان کے ماہرون نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت مین تھا یعنے علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود نہین ہوا تھا اُس وقت اُس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی یا دیمن (پیٹرسٹ) کے سو تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی، مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب مین لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے" جسمانی خدا (بت) اُس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دُنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ مین، خدا کا اعتقاد موجود تھا، آشوری۔ مصری۔ کلدانی۔ یہود اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالوگے تو بہت سے ایسے مقامات ملین گے

جہان نہ قلعے ہین۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ حرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام نہین مل سکتا، جہان خدا نہ ہو۔

فولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا۔ کہتا ہے کہ "زردواستر۔ منو سولن۔ سقراط، سسرو۔ سب کے سب، ایک سردار۔ ایک منصف ایک باپ کی پرستش کرتے تھے" [1] یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا [2]

اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو نکالا اور خود اُن کو اُن ہی پر گواہ کیا کہ کیا مین تمھارا خدا نہین ہون، سب بول اُٹھے کہ ہان، ہم گواہ ہین۔

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لیے خدا نے جا بجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے؟ جو آسمان و زمین کا موجد ہے

اور چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے کہ محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہین ہوتی اس لیے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا،

انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان مین ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزون کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین اکٹھی ہو گئی ہون گی، لیکن جب وہ اس ترتیب

---

[1] دیکھو مانسیو بوتھیر کی کتاب الفلسفہ ترجمہ عربی۔ مطبوعہ بیروت صفحہ ۱۷۵ یہ مصنف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا۔

[2] محققین اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہین کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔

اور سلیقہ سے چُنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی یہ شکل اُس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہوگئی ہوگی اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو- خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر لو- اُس کے الفاظ اُلٹ پلٹ کرکے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر ترتیب دے، وہ سو سو طرح اُلٹ پلٹ کرے گا، لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہوگا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہین- وہی حروف ہین، وہی جملے ہین- صرف ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے- پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم، جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزون ہے وہ خود بخود قائم ہوگیا ہو، قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے-

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ مَا تَرٰی	یہ خدا کی کاریگری ہے جسنے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ	خدا کی کاریگری مین تمکو کہین فرق نظر نہ آئیگا، پھر دوبارہ
الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	دیکھو کہین کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے-
خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا	خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اسکا ایک اندازہ معین کیا
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	خدا کی بناوٹ مین رد و بدل ممکن نہین
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا	خدا کے طریقہ مین تم رد و بدل نہین پا سکتے-

ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہین- کامل اور بے نقص ہے موزون اور مرتب ہے- ایسے اصول (قوانین) کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے- یہ دلیل کا صغریٰ ہے- کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل مرتب اور مستمر النظام ہوگی، وہ خود بخود پیدا نہین ہوگئی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اُس کو پیدا کیا ہوگا-

آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار فاش ہوگئے ہین جبکہ حقائق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکما انتہا سے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت مین یہی استدلال پیش کرسکے جو قرآن مجید نے

تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین ادا کیا تھا۔

ایزک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزا مین باوجود ہزارون انقلابات زمان ومکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہین کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے"

حکماے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اُسیقدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین، اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہین"

کیمل فلامریان[1] کہتا ہے "تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہین کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر چلا جاتا ہے، اور اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا مؤثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے"

پروفیسر لینی LINNE لکھتا ہے "خداے قادر وتوانا اپنی عجیب وغریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھین کھلی کی کھلی رہ جاتی ہین اور مین بالکل دیوانہ بن جاتا ہون، ہر چیز مین گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اُس کی کس قدر عجیب قدرت، کس عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔

فونٹل۔ انسائیکلوپیڈیا مین لکھتا ہے۔

علم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہین ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اُٹھائین اور اُس کے جلال وعظمت پر فریفتہ ہوجائین"

---

[1] فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے۔

ملاحدہ (یعنی منکرین) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہین ہمیشہ ہر زمانہ مین ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر، یا کم از کم متردد اور متشکک تھا، سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہین پڑی ہے، خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہین قائم ہوسکی ہے بلکہ ملاحدۂ سابق و حال مین یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلائل زیادہ دقیق اور پر زور ہوتے تھے، ان کے مقابلہ مین ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہین کہہ سکتے، ان کی تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ ،، خدا کا کوئی ثبوت نہین ملتا ،، ،، مادہ کے سوا عالم مین اور کوئی چیز موجود نہین ،، ،، خدا کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے ،، یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال نہین، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے۔

متکلمین اسلام نے ملاحدۂ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہین علامہ ابن حزم نے ملل و نحل مین، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کے جواب دیے ہین۔ یہ اعتراضات، نہایت ہی قوی اور پر زور ہین، تفنن کے لیے ہم ایک اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہین،

خدا کے وجود پر ملاحدۂ قدیم کا اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہین کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اسکی علت قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو کیونکہ علت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اس کے لیے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جاکر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئے گا، کیونکہ علۃ العلل جب قدیم ہے تو اس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو

اُس کا معادل بھی قدیم ہوگا۔ وَھَلُمَّ جَرًّا۔ اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہین ہوتا بلکہ الیٰ غیر النہایۃ چلا جاتا ہے تو خدا کہان باقی رہتا ہے۔

ملاحدہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہین لیکن ہم کو اُن سوئے ہوئے فتنون کے جگانے کی ضرورت نہین، یورپ کے ملاحدہ آج کل کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہین اور جس کی بنا پر ہمارے ملک مین، مذہب کی طرف سے بیدلی پھیلتی جاتی ہے، ہم کو صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور اُن کا جواب دینا کافی ہے۔

جن لوگون کو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (میٹریلسٹ) ہین لیکن درحقیقت اُن لوگون کا یہ دعویٰ نہین کہ خدا نہین ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہین کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ ان کا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہین، پروفیسر لیٹریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ، مادی مذہب اپنے آپ کو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے، کیونکہ اُس کو اس کے متعلق کسی قسم کا علم نہین، ہم علت اولیٰ کے نہ منکر ہین نہ مثبت ہمارا کام نفی و اثبات دونون سے الگ رہنا ہے۔

اسی گروہ مین سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہین کہ خدا کے اقرار و انکار کے دونون پہلوؤن مین سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلے ہم کو یہ طے کرنا چاہیے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار۔ اثبات یا نفی کے اصول اولیہ کیا ہین؟ فلسفہ حال نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ، جب تک کسی شے کے وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہین کرنا چاہیے، کانٹ اور بیکن نے اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی مدد سے ارسطو کے یونانی فلسفہ کے تمام ارکان متزلزل ہوکر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، [illegible] نتیجہ یہ ہے کہ ہم اسی اصول کے پابند ہین، فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہے نہ عدم کی تو ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہین کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہین

جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ جہان تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہین مثلاً یہ ممکن ہے کہ دُنیا کے کسی حصہ مین ایسے آدمی موجود ہون جن کے دو سر ہون، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہون جو صورۃً آدمی ہون، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون، لیکن ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین، کیون؟ اسی لیے کہ اُن کے وجود کی کوئی شہادت موجود نہین۔ اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونون سے، کسی پر اگر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہین ہے۔

مادہ مین کسی بنا پر خدا [illegible] نہین۔

اس بنا پر ہم کو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کیے جاتے ہین وہ صحیح ہین یا نہین، ثبوت کے جس قدر دلائل ہین سب مین قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا لیکن غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہین، (یہ بحث تفصیل اوپر گذر چکی ہے) شاید یہ کہا جائے کہ غیر متناہی خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُس کے محال ہونے کی دلیل ہے، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہ بھی غیر متناہی کی ایک دوسری صورت ہے، ایسا خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہین، کیا ایک سلسلۂ غیر متناہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت مین یہ مقدمہ بڑے آب و تاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بداہتہً دیکھتے ہین کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے؛

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے، یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہین دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا ہم نے اصل مادہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتین ہین نہ اصل مادہ، اس لیے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتون کے پیدا ہونے کے لیے علت درکار ہے

اس سے زیادہ جو دعویٰ کیا جائے اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ صرف تخیل ہے۔ اس بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ عالم کے لیے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہیں، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوا اس لیے اس کی علت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

شاید یہ کہا جائے کہ گو مادہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لیے ان صورتوں کے لیے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہے، لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتیں علی سبیل البدلیۃ پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہیں، اس بنا پر اُن کے لیے ایک قدیم علت نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں حادث علتیں درکار ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لیے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ عالم کا وجود اور عالم کا نظام، خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جا سکتا ہے تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آ سکتی، اس بنا پر عالم کا مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے فضائے غیر متناہی میں، نہایت، چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے، ان اجزا کو علمی اصطلاح میں دیمقراطیسی کہتے ہیں، یہ اجزا آپس میں ملے اور ترکیب پا کر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہو گیا۔

اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزا خود بخود کیونکر مل گئے؟ اور یہ گوناگون مرکبات خود بخود کیونکر پیدا ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت اور قوت بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزائے دیمقراطیسی کی فطری خاصیت ہے، جو اجسام ہم ساکن نظر آتے ہیں، اُن کے اجزائے دیمقراطیسی بھی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں، اور اگر

اگر اُن کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دو متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے بہر حال مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے اور مادہ کبھی حرکت سے خالی نہین ہو سکتا اس بنا پر اجزاے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہین۔

اب جو کچھ شبہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت و اتفاق سے ایسی ایسی عجیب و غریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہین کیونکر پیدا ہو سکتی ہین؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت مؤثر الفاظ مین ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے راسین کہتا ہے، اے آسمانو! مجھکو خبر دو، اے دریاؤ! مجھکو بتاؤ! اے زمین مجھکو جواب دے! اے بے انتہا ستارو تم بولو کون سا ہات ہے جس نے تم کو افق مین تھام رکھا ہے؟ اور شب چاردہ! کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ تو کس قدر پُر شان ہے، کس قدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جسنے تجکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہاے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اُسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو اُبھارا ہے، او مژدہ رسان سحر! او نیر شنگرف او ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! او آفتاب درخشان! سچ بتا تو کس کی اداے طاعت کے لیے محیط کے پردون سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعین عالم پر ڈالتا ہے۔

اے پُر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے، کس نے تجکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ مین قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجون کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہین بڑھ سکتا۔

ان سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے، کہ خود اہل مذہب نے کائنات کی خلقت، اور اُس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ مین اہل مذہب کے دو گروہ ہین، ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ عالم مین جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب و علل اور درمیانی وسائط

خدا تمام اشیا کا بالذات خالق ہے یا بواسطہ

کوئی چیز نہین، پانی جو برستا ہے، تو اس وجہ سے نہین برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جاکر، سردی کی وجہ سے پانی بن جاتی ہے اور بادل بن کر برستی ہے، بلکہ خدا بالذات پانی برساتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیاء مین خواص اور تاثیر رکھی ہے، اور ان ہی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی مین یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت مین بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خاصہ ہے کہ ٹھنڈی پاکر وہ پانی بن جاتی ہے، اب ان خاصیتون کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہین کرنی پڑتی بلکہ ان ہی خاصیتون کی بنا پر اوقات معینہ مین خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے اصول اور قوانین مقرر کردیے ہین جن کے موافق نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہے، محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانون مین اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقون کی یہی رائے ہے۔

جب یہ مسلم ہوگیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہجاتی ہے کہ یہ قوانین قدرت خود بخود بنے ہین یا خدا نے بنائے ہین، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے تو خدا کی مطلق ضرورت نہین رہتی۔

قوانین قدرت خود بخود بنے ہین

مادّہ کی نسبت یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ قدیم ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ مادّہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزائے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ حرکت مین تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے۔ تب بھی یہ اجزا ہر وقت خود بخود حرکت مین رہتے ہین گو ہم کو نظر نہین آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی کہ قوانین قدرت کے لیے ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم کیا جائے، اجزائے دیمقراطیسی جب آپس مین امتزاج پاتے ہین،

تو مختلف صورتین پیدا ہو جاتی ہین، اور ہر صورت خود ایک خاصہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ اور اثر خود اس ترکیب اور امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتون مین وہ خواص پیدا نہین کرتا، اس مضمون کو یون سمجھو کہ خود فلسفہ قدیمہ مین یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم مجعول نہین مثلاً خدا نے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے جن مین سے ہر نوع کا، پتہ۔ شاخین۔ پھول۔ پھل۔ مزہ رنگ مختلف ہوتا ہے، لیکن یہ چیزین خدا نے بالذات پیدا نہین کین بلکہ صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزین اسکے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سے آپ پیدا ہو گئین "

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ[1] مین لکھتے ہین :-

فَاِنَّہٗ جَعَلَ لِکُلِّ نَوْعٍ اَوْرَاقًا بِشَکْلٍ خَاصٍّ	خدا نے ہر قسم کے درخت کے پتے جداگانہ شکل کے پتے۔ جداگانہ
وَاَزْھَارًا بِلَوْنٍ خَاصٍّ وَثِمَارًا مُخْتَصَّۃً	رنگ کے پھول۔ جداگانہ مزے کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے
بِطُعُوْمٍ وَتِلْکَ اُمُوْرٌ یُعْرَفُ اَنَّ ھٰذَا	معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص درخت فلان درخت کے افراد مین
اَنَّہٗ مِنْ نَوْعِ کَذَا اَوْ کَذَا وَھٰذِہٖ کُلُّھَا	داخل ہے اور یہ سب خاصیتین، صورت نوعیہ کی تابع ہین
تَابِعَۃٌ لِلصُّوْرَۃِ النَّوْعِیَّۃِ مُلْتَوِیَۃٌ	اور اسی مین لپٹی ہوئی ہین۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہین -

وَلَیْسَ لَکَ اَنْ تَقُوْلَ لِمَ کَانَتْ ثَمَرَۃُ النَّخْلِ عَلٰی	اور تم یہ پوچھ نہین سکتے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیون ہوتا ہے،
ھٰذِہِ الصِّفَۃِ فَاِنَّہٗ سُؤَالٌ بَاطِلٌ لِاَنَّ	کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہے وجہ سے کہ ہر شے کے جو لوازم ہین اسکے
وُجُوْدَ لَوَازِمِ الْمَاھِیَّاتِ مَعَھَا لَا یُطَالَبُ بِلِمَ	ساتھ ہی پیدا ہوتے ہین انکی نسبت یہ سوال نہین ہو سکتا کہ کیون ہوئے

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا بڑا حصہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا نتیجہ ہے یعنی ان کو بالذات خدا نے پیدا نہین کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھین جو خود بخود ان کے ساتھ پیدا ہو گئین یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اسقدر حکما سے

[1] صفحہ ۲۰

صور نوعیہ قدیم ہین یا حادث

قدیم کے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور ازلی ہین، لشرح الطوالع مین ہے۔

وَزَعَمَ أَرِسْطَاطَالِيسُ وَأَبُو نَصْرٍ الْفَارَابِيُّ وَأَبُو عَلِيِّ بْنُ سِينَا أَنَّ الْأَفْلَاكَ قَدِيمَةٌ بِمَوَادِّهَا وَمَقَادِيرِهَا وَأَشْكَالِهَا سِوَى حَرَكَاتِهَا وَالْعَنَاصِرَ بِمَوَادِّهَا وَصُوَرِهَا الْجِسْمِيَّةِ بِنَوْعِهَا وَصُوَرِهَا النَّوْعِيَّةِ بِجِنْسِهَا۔

ارسطو، ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا خیال ہے کہ افلاک مادہ، مقدار، اور اشکال، قدیم ہین صرف ان کی حرکت قدیم نہین ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع اور صور نوعیہ کی جنس قدیم ہے۔

صور نوعیہؔ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہین تو اب صرف یہ بحث رہجاتی ہے کہ صور نوعیہؔ خود بخود پیدا ہوگئین، یا خدا نے پیدا کین، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہین قائم کرسکتے کہ صور نوعیہؔ، خدا نے پیدا کین، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہوگئین کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہین تو اُن کو بغیر کسی قوی دلیل کے مخلوق کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کین، باقی تمام مظاہر کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہین جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے۔

رابرٹ انگرسال جو امریکا کا مشہور ملحد ہے، اپنی کتاب "انکار خدا" مین لکھتا ہے، "فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہین اور مادہ اور قوت، ازل سے موجود ہین، اب خیال کرو کہ دو ذرے باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہوگا؟ ہان! فرض کرو اگر وہ مختلف جہتون سے برابر قوت کے ساتھ آئین تو دونون رک جائین گے اور یہی نتیجہ ہوگا اگر ایسا ہی ہو تو مادہ۔ قوت اور نتیجہ بالکسی ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کرو کہ دو ذرے اسطرح ملین تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہوگا؟ ہان ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوگا۔ اور اسی کے معنی قانون اور ترتیب کے ہین۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے بالاتر ہو۔"

شاید یہ کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے

کہ مادّہ اور اجزائے دیمقراطیسی قدیم ہین لیکن خدا کے پیدا کیے ہوے ہین اور پھر ان کے امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے مین کوئی استحالہ نہین تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز مین دونون احتمال برابر ہین اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دُنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک مانتا آتا ہے۔

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہین کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونون احتمال یکسان نہین ہین، تمام مدرکات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابلِ اعتماد ہے جسقدر محسوسات سے بُعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنے کے بعد اس کی انتہا محسوسات تک نہین پہنچتی، تو وہ محض وہمی علم ہے۔ کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیاء کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہین، یا محسوسات سے ماخوذ ہین،

اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادّہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے عالم مین جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادّہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ مسئلہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ تمام دُنیا مل کر کسی چیز کو نہ مطلق فنا کر سکتی ہے، نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادّہ قدیم ہے اس لیے مادّہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات مین داخل ہے یہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہین جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً کشش اجسام۔ مسئلۂ ارتقا۔ انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ۔

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہین

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات مین ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے، اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہین، اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادّہ کے لوازم طبعی ہین اس لیے وہ بھی حادث نہین، اور جب مادّہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہین، اور کائنات کے تمام انواع، ان ہی چیزون کا نتیجہ ہین، تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے؟ پروفیسر لیتر یہ کہتا ہے کہ جن اسباب نے کائنات کو

پیدا کیا ہے، بظاہر وہ خود کائنات مین موجود ہیں، اور ان سے الگ نہین اور ان ہی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین" ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ "قوانین فطرت اور خدا، ان دونون مین سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہے"

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہین جن کا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہین ملتی اور اگر صرف احتمال سے کام کیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی ہے، لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود جس طرح بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہین سکتا:

یہ لوگ کہتے ہین کہ خدا کے معنی اگر صرف علۃ العلل کے ہین تو ہم کو کچھ بحث نہین لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق۔ حکیم۔ صاحب ارادہ۔ عادل۔ اور رحیم بھی ہے تو اسکا ثبوت نہین ہوتا بلکہ اسکے خلاف بہت سے دلائل موجود ہین جن کی تفصیل ذیل مین ہے۔

منکرین خدا کے دلائل

(۱) ڈارون کے مسئلۂ ارتقا نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے، خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنیٰ درجہ کا جانور تھا۔ ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دو زینہ کے بعد آدمی بن گیا، اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا، قادر مطلق اور حکیم ہے، رابرٹ انگرسال اپنی کتاب مین جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے۔

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اُس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھون برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے، تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالین گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جر ثقیل مین ماہر تھا۔

"مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی کہ خالق مین بھی ترقی ہوئی ہے، کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اس طرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت

ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی سادہ حالت مین پیدا کرتا - پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دے کر انسان بناتا اس طرح سالہائے بیشمار، ان شکلون اور ہیئتون کے بنانے مین صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا "

(۲) دنیا مین نہایت کثرت سے جور و ظلم، خونریزی اور قتل مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لیے کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ دُنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے انگرسال کہتا ہے کہ " دنیا کی سطح کو ایسی خوفناک اور نفرت انگیز جانورون سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہین، کیا اس مین بصیرت اور عقل مندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کر سکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہان تک کہ ہر مُنہ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے اس عام اور دائمی خونریزی مین غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے "

" سالہا سال کی تاریکی مین جو تکلیفین بنی نوع انسان کو پہنچین وہ قیاس نہین کی جا سکتین، زیادہ تر حصہ، اس تکلیف کا کمزور نیک اور معصوم لوگون نے برداشت کیا عورتون سے زہریلے درندون کی طرح سلوک کیا گیا معصوم بچے، حشرات الارض کی پاؤن سے کچلے گئے "

قوم کی قوم پر صدیون غلامی، کا فتویٰ رہا اور تمام عالم مین وہ ستم بہ پار ہا جسکو زبان قلم ادا نہین کر سکتی "

اگر کوئی کہے کہ آیندہ دنیا مین ان مصیبت زدون کو تکلیف کا بدلہ مل جائے گا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہین ملتا، اس بات کی اُمید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل عاقل، نیک، اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آیندہ بہتر سلوک کرے گا، کیا خدا مین زیادہ قوت آجائے گی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائے گا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائے گی "

(۳) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑون آدمی خلقۃً نہایت بیرحم، سخت دل، بدکار اور مائل بہ شہوات، ہوتے ہین، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ برے ہی آدمیون کا ہے، اس صورت مین

کیونکر قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا، قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر ان کو قیامت میں سزا دینا اس سے کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اسکو دنیا میں صرف نیکی، راست بازی، نیکوکاری پیدا کرنی چاہیے تھی۔ فریب۔ جھوٹ۔ فسق۔ فجور۔ حسد۔ بغض۔ دشمنی۔ انتقام بیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہیں ہے، بلکہ صرف لاآف نیچر ہے جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض، اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے۔

ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ جہاں تک ہم تمیز کر سکتے ہیں ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہے نہ خوشی، زہر و غذا، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اسکے نزدیک یکسان ہیں، نہ وہ رحیم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہے، نہ آنسو گرانے سے متاثر۔"

ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم، اجزاے دیمقراطیسی سے بنا ہے۔ ہم کو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ اور حکماے اسلام یعنے فارابی۔ ابن سینا اور ابن رشد کی رائے ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال میں لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتوں سے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہی متبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ کے اجزا متحرک ہیں، حرکت۔ مادہ کی ذاتیات میں سے ہے مختلف قوانین قدرت ہیں جنکے موافق، اجزا باہم ملتے ہیں، ترکیب پاتے ہیں، اور پھر اُن میں خاص خاص قویٰ اور خواص

ملاحدہ کے اعتراض کا رد

پیدا ہو جاتے ہین لیکن کائنات کا عقدہ اُن باتون سے بھی حل نہین ہوتا - اس کی تفصیل یہ ہے.

اس مین شبہ نہین کہ عالم - کا تمام نظام، قوانین قدرت یا آلات نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق، متناسب اور معین ہین ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین - ایک کمزور سے کمزور گھانس اُسوقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک - ہوا - پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب، و ماہتاب، وغیرہ کے افعال، اور خواص، اُسکے پیدا کرنے مین، مشارکت اور توافق کو عمل مین لائین، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا، جوارح اور اعصاب ہین، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہین اور ہر ایک کا کام جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہین دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل مین شریک نہ ہون، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام مین خلل انداز نہ ہون، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوی مستقل حیثیت نہین رکھتے بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون سے بالاتر ہے، اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین، اس عام قوت کو نفس - روح - یا مزاج سے تعبیر کیا ہے -

تمام قوانین قدرت باہم موافق اور معاون ہین

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین، لیکن اگر ان مین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم برہم ہو جائے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین، باہم توافق - تناسب، ربط، اور اتحاد پیدا کیا ہے میٹریلسٹ یہ کہتا ہے کہ **مادہ** خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن

وہ اس بات کی وجہ نہین بتا سکتا کہ ان سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون قوانین قدرت مین یہ توافق بتناسب، اور اتحاد کہان سے آیا؟ توافق اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہین ہے اور اگر کوئی ایسا دعوے کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جسکی کوئی نظیر پیش نہین کی جا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہین قرآن مجید کی اس آیت کے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے سب اُسکا کہا مانتے ہین مجبوراً و بخوشی یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفرونکو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے۔

ملین اڈورڈ Milne Edward کہتا ہے ,, انسان اسوقت سخت حیرت زدہ ہوجاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور حالق مغاہدات کے ہوتے ہوے ایسے لوگ بھی موجود ہین جو یہ کہتے ہین کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہین، یا دوسری عبارت مین یون کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہین، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیان جن کو لوگون نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اسپر اعتقاد نہین لا سکتا "

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے ,, یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہین جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہین تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود مین آتی ہین "

پروفیسر لینیہ کہتا ہے ,, وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزون کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب و غریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مین مبہوت اور مدہوش ہوجاتا ہون[1] "

اب ہم اُن اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور

---

[1] ہربرٹ اسپنسر اور پروفیسر لینیہ کے یہ اقوال پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہین۔

عادل ہونے کی نسبت کیے جاتے ہین، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیون پیدا کرتا، اسقدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین۔

ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا۔ پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بن کر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ اعجوبہ نما اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنا بنایا ایک انسان مجسم کا پیدا ہوجانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دُنیا مین نیکی کے ساتھ بُرائی کیون ہے؟

بوعلی سینا نے شفا مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتین فرض کی جاسکتی ہین۔

محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی محض بُرائی ہوتی۔ زیادہ بھلائی ہوتی اور کسقدر بُرائی

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینون پیش ہین تو کیا کرنا چاہیے،

پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہین ہوسکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے دوسری صورت بھی قابل بحث نہین کیون کہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اعتبار ہے۔ اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا یعنی ایسی دنیا پیدا نہین کی جسمین بُرائیان ہی بُرائیان ہون صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے یا نہین جسمین بھلائیان زیادہ اور بُرائیان کم ہون، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند بُرائیان عالم وجود مین نہ آتین لیکن اسکے ساتھ بہت سی بھلائیون کا بھی وجود نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند بُرائیون کے لیے دُنیا ہزارون بھلائیون سے محروم رہ جاتی۔

ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا مین جو بُرائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہین بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصہ بُری چیز ہے لیکن اُس حاسۂ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے، یہ حاسہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ مین اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے،

فسق و فجور بُری چیزین ہین لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہین جسپر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے
آگ گھرون کو جلا دیتی ہے۔ شہر کے شہر اس سے تباہ ہوجاتے ہین لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہوجائے،

اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کی جاتی اُسمین اچھائی ہی اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہان یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی ایسی آگ نہین پیدا کی جا سکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہین تو پک جائے لیکن اگر مسجد کو جلانا چاہین تو نہ جلائے،

باقی یہ اعتراض کہ دُنیا مین اکثر اچھے آدمی تکلیف اُٹھاتے اور بُرے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہین، اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیات فانی تک ختم نہین ہوجاتی، اس لیے یہ کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم جن کو عیش و عشرت مین بسر کرتا ہُوا دیکھ رہے ہین یہ اُن کی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیونکر راے دے سکتے ہین، آگے چل کر ہم ثابت کرین گے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہین جو کسی طرح اُن سے جُدا نہین ہو سکتے جس طرح مرنا زہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہین کہ بہت سے لوگ اچھے یا بُرے کام کرتے ہین، اور اُن کے نتیجے اُن کو پیش نہین آتے۔

نظام عالم مین ہم کو جو بُرائیان ابتریان اور نقائص نظر آتے ہین کون کہہ سکتا ہے کہ واقعی نقائص ہین؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہین کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھون کے سامنے نہین ہے۔ ایسی حالت مین صرف اتنی بات پر خدا کے کمال اور عزت وجلال کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔

توحید

ذات باری کا اجمالی اعتراف، تمام مذاہب مین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چندان زور نہین دیا اسلام کے مختصات مین جو چیز ہے وہ توحید ہے کیونکہ دوسرے مذاہب مین یا سرے سے توحید تھی ہی نہین یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہین، کفار کو جو وحشت ہے وہ توحید سے ہے

إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ — جب اکیلا خدا پکارا جاتا ہے تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی

تُؤْمِنُوا وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ — اور شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو۔ اور جب خدا کا تنہا ذکر

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ — کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بدک جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہین کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزا یا کثیر الافراد ہے لیکن سب مل کر ایک ہے یعنی اُس کُل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اُسکو چلا سکتا ہے جو تمام پرزون کا موجد، اور اُنکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید مین اس طرح ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا — اگر آسمان اور زمین مین کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا

منطقی پیرایہ مین اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے،

۱۔ عالم مین گو بظاہر ہزارون لاکھون اشیا نظر آتی ہین لیکن عالم ایک شے واحد ہے اور یہ تمام اشیا اسکی ذاتیات اور اجزا ہین، جس طرح انسان مین باوجود اسکے کہ ہاتھ پاؤن، کان، آنکھ، ناک۔ بہت سے اعضا پائے جاتے ہین تاہم انسان ایک شے واحد ہی ہے۔

۲۔ ایک چیز کی دو علت تامہ نہین ہو سکتین، کیونکہ علت تامہ کے یہ معنی ہین کہ اُسکے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود مین آجائے۔ ایسے اگر ایک معلول کے لیے

دو علّت تامہ ہون تو ایک بالکل بیکار ہوگی۔

۳۔ خدا، عالم کی علت ہے۔

اب استدلال کے مقدمات یہ ہین۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علّت تامّہ نہین ہوسکتی۔ اس لیے عالم کی دو علّت تامّہ نہین ہوسکتین۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علّت تامہ متعدد نہین ہوسکتی، اس لیے خدا متعدد نہین ہو سکتا۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبون مین پائی جاتی ہے جن قومون کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہین، البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہین جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے، عیسائی تین خدا مانتے ہین لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہین کہ تینون ایک ہین، یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد اُن کو بھی گوارا نہین۔ اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہین اسلام کو اس بات مین جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اُس نے توحید کو کامل یعنی شرکت کے ہر قسم کے شائبون سے پاک کر دیا۔ اور یہ منجملہ اُن تکمیلون کے ہے جن کی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہین رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہین، توحید کامل کے یہ معنی ہین کہ جس طرح خدا کی ذات مین کوئی شریک نہین اسی طرح اُسکی صفات مین بھی کوئی شریک نہین، پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا، دور و نزدیک سے یکسان تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہین، اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتارون اور پیغمبرون مین بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہین اور یہی توحید کا نقص ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصلاح کا پردہ رکھ کر ان اوصاف کو اورون مین بھی ماننے لگے ہین۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لیے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہانتک کہ سجدہ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب مین، خدا کے سوا اورون کے لیے بھی جائز تھا اسلام نے اسکو بھی حرام کر دیا۔

توحید پر استدلال

توحید فی الصفات و فی العبادت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتا۔ اطاعت۔ انقیاد۔ خشوع۔ استقلال، توکل، اخلاص کی حالت اسی وقت دل پر طاری ہوسکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتون، تمام ضرورتون، تمام اُمیدون، تمام اغراض، تمام خواہشون کا ایک ہی مرکز ہے انسان مین، استقلال، آزادی۔ دلیری بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتے جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے۔ اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جانے کے لیے تیار رہتا ہے۔

نبوّت

نبوت کی کیا حقیقت ہے؟ اسکے کیا شرائط ہین؟ نبی اور غیر متنبی مین حد فاصل کیا ہے اِن سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقون کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوّت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے، خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لیے معجزہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فصل اور ممیز ہے، اس جواب کی ابتدا اشاعرہ ظاہر بین سے ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقون مین یہی اعتقاد پھیل گیا۔

جناب رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ مین تو علمی اور اصطلاحی حیثیت سے اس مسئلہ پر بحث پیدا ہی نہین ہوسکتی تھی۔ لیکن دولت عباسیہ کے ابتدا ہی مین جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ مین قدم رکھا تو یہ بحث زور و شور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہان تک ہم کو معلوم ہے سب سے پہلے اس مسئلہ پر جاحظ نے قلم اُٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ مین جاحظ کا جو پایہ ہے اسکے لحاظ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے کیا کچھ لکھا ہوگا؟ لیکن قدما کی تمام تصنیفات اس طرح برباد ہوچکی ہین کہ آج اُس خرمن کا ایک دانہ بھی موجود نہین، ایثار الحق مین جو نوین صدی کے ایک مجتہد یمنی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح مواقف مین نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہین ان مین سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہے کہ یہ جاحظ کا

نبوت کی تشریح سب سے پہلے جاحظ نے کی۔

مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اس کی تحسین کی ہے"

اشاعرہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دُنیا مین پھیل گیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج اس پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہین، ان مین سے کہین زیادہ خود، اشاعرہ ہی کے زمانہ مین کیے جا چکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی ابن رشد، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اسقدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُنکے موافق کہا وہ آج ایک ایک بچہ کے دل مین، اور زبان پر ہے، اور جو کچھ اُنکی خاص رائین تھین، وہ اس شور و ہنگامہ مین لوگون کو سُنائی بھی نہ دین، مجبوراً ان بزرگون نے بھیڑ سے الگ ہو کر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص مجمع سے مخاطب ہو کر کہا خدا کا شکر ہے کہ اُن کی رازدارانہ گفتگوئین، گو پھیلین نہین، لیکن بالکل ناپید بھی نہین ہوئین،

مین اس بحث کو نہایت استیعاب کے ساتھ لکھون گا جس سے امور ذیل مقصود ہین -

(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمہ فن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہین؟

(۲) نبوّت پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہین نئے نہین ہین، بلکہ مع شے زائد پہلے کیے جا چکے ہین -

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہین محققین کا مذہب ان حملون کی زد سے محفوظ ہے -

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زیر درس کتابین عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہین محققین اور ائمہ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے اُن مین مذکور نہین، یا ہین تو اُن کو ایسے کمزور پیرایہ مین ادا کیا ہے کہ اُن پر توجہ تک مائل نہین ہو سکتی -

اب ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہین -

خرقِ عادت کے مسئلہ کی بنا پر

نبوّت پر اعتراض

اشاعرہ کے نزدیک نبوت کی حقیقت

نبوّت کی تعریف جیسا کہ مواقف میں ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اُسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے۔

مَنْ قَالَ لَهُ اللّٰهُ اَرْسَلْتُكَ اَوْ بَلِّغْهُمْ عَنِّیْ وَ نَحْوَهُ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَ لَا یُشْتَرَطُ فِیْهِ شَرْطٌ وَ لَا اِسْتِعْدَادٌ بَلِ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

پیغمبر وہ ہے جس سے خدا نے یہ کہا ہو کہ مین نے تجھکو بھیجا یا لوگون کو میری طرف سے پیغام پہنچا یا اس قسم کے اور الفاظ اور پیغمبر ہونیکے لیے کوئی شرط نہین نہ یہ شرط ہے کہ اُس مین کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اُسکی بنا پر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ عام لوگون کو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلان شخص سے خدا نے باتین کین اور اس سے یہ یہ کہا، اس بنا پر اشاعرہ نے نبوت کے شناخت کے لیے معجزہ کو دلیل قرار دیا۔ یعنے جس سے معجزہ صادر ہو، اُس کی نسبت یہ یقین کیا جائے گا کہ خدا نے اس سے خطاب کیا۔ اس بنا پر امور ذیل تنقیح طلب ہین۔

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہین؟

کیا اس سے نبوّت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف اشاعرہ نے یہ کی ہے کہ جس کے ظاہر کرنے سے نبوّت کی تصدیق مقصود ہو اور اُسکے لیے سات شرطین قرار دی ہین

خدا کا فعل ہو۔ خارق عادت ہو۔ اس کا معارضہ ناممکن ہو۔ مدعی نبوّت سے ظاہر ہو دعوے کے موافق ہو۔ نبی کا مکذب نہ ہو، دعوے پر مقدم نہ ہو۔

ان شرطون مین سے دو شرطین قابل بحث ہین۔

یہ شرط کہ خارق عادت ہو، اس سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلۂ اسباب اور اصول فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہین؟

انسان کو جسقدر علوم حاصل ہوتے ہین اُن کی دو قسمین ہین، بدیہیات۔ نظریات، بدیہیات وہ امور ہین جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہین یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ اُنکا یقین حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو متناقض ایک جا جمع نہین ہو سکتے۔

نظریات وہ امور ہین جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہین، مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود بدیہی نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی انتہا، بدیہیات تک ہو۔

بدیہیات کے بہت سے اقسام ہین۔ نظام قدرت مین جو چیزین ہمیشہ ایک طرز وقوع مین آتی رہتی ہین اُنکے استقراء سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدیہیات کی ایک قسم ہے۔ ان ہی بدیہیات مین سے یہ بھی ہے کہ عالم مین علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے یعنی جو چیز وجود مین آتی ہے اُسکے علل اور اسباب ہوتے ہین، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہین تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع مین آئے، تو معجزہ بداہتہً باطل ہوگا کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہتہً حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بداہت کے خلاف ہے۔

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہین[1] کہ علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری۔ نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری ایسا ہو

[1] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے۔

جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنی ہون گے کہ فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے"

"اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس مین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہے"

"جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین تو ہم کو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا۔ پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لین گے کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل و افترا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعوے ایک لغویات ہے، اور جب یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اُسکو سمجھاتے ہین"

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بن جائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُس کو مجنون کہے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بن جائے اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل انسان بن جائین۔ ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میرا گدھا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا۔

(۳) اگر کوئی شخص کفدشت میدان کو دیکھ کر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بن جائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جسقدر حوادث ہین

وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[1]

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا، خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کردی۔ شرح مواقف مین ہے۔

وَالْمُعْجِزَةُ عِنْدَنَا مَا يُقْصَدُ بِهِ تَصْدِيقُ مُدَّعِي الرِّسَالَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَارِقًا لِلْعَادَةِ — اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت۔ ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب وعلت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اُسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی، اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اُسکے یہ معنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت مین یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ واقع مین اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہوجاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادت پر قادر ہین، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جن اور شیاطین انسان کے بدن مین حلول کرسکتے ہین، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب وغریب افعال صادر ہوسکتے ہین جو خود جنہ اور شیاطین سے صادر ہوسکتے ہین، اب فرض کرو کہ ایک مدعی نبوت کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ درپردہ کسی جن کا فعل نہین ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین

[1] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

یہان تک کہ آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت مین کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہین، شرح مواقف مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادت سرزد نہین ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوی نہین کر سکتا اور اگر وہ ایسا دعوی کرے تو خدا اُسکے خرق عادت کو روک دے گا"

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر سے آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل سکتے ہین، جمادات مین حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادت نہین ہین، اسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہین ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعوی نہین کر سکتا محض دعوی ہی دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہین بیان کی جا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہو سکتے ہین، تو کون تسلیم کرے گا کہ دعوی نبوت کی حالت مین، اُس کی یہ قدرت جاتی رہے گی، عبداللہ بن المقنع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے، اور نبوت کا دعوے بھی کیا۔

ان امور کے علاوہ شعبدہ جات، نیرنگ جات، اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب و غریب امور سرزد ہوتے ہین، اس لیے یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس مین ان چیزون کا شائبہ نہ تھا۔

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اس کا ظہور ہوا ہو، اس لیے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے۔

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہو سکتی ہے یعنی یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہین ہو سکتا۔ جواب نہ ہو سکنے سے اگر یہ

امام رازی تفسیر کبیر [illegible] کی تفسیر مین لکھتے ہین اما اهل السنة فقد جوزوا ان یقدر [illegible] الانسان حمارا والحمار انسانا [illegible]

مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سے اسکا جواب کسی سے نہ ہو سکا تو عبداللہ بن المقنع اور زردشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتین ان سے ظہور مین آئین اُس زمانہ مین کوئی شخص اُن کا جواب نہ لا سکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کر سکے تو یہ پیشین گوئی کیونکر کی جا سکتی ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہو سکے گا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین انکے معجزہ کا جواب نہ ہو سکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قیامت تک اُسکا جواب نہو سکے گا۔

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہے گی، کہ معجزہ صرف ان لوگون پر حجت ہو سکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آیندہ نسلون کو اُس کا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتون کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوتی ہے اُس کو یقینی کہا جاتا ہے، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود یہ تواتر بیان کرتے ہین کہ تورات مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونون متفق اللفظ ہین اور یہ تواتر بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان کرتے ہین، غرض ہر فرقہ، اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین، شائد یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کے لیے اسلام شرط ہے، جس کے یہ معنیٰ ہوے کہ صرف مسلمانون کا تواتر مفید یقین ہے، لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو، مخالف کیونکر تسلیم کر سکتا ہے۔

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ ممکن بھی ہے۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُس کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ مسئلہ اب بھی باقی ہے کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مین ہندسہ دان ہون، اور اُسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مین بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہون، تو گو وہ بیس دن تک بھوکا رہے اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو

لیکن اُس سے اس کا مہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں [illegible] کے یہ معنی ہیں کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعوے کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

"معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہیں"

"نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے"

"ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے یہ تعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس و فصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت میں معجزہ داخل نہیں ہے، بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہیں وہ بھی معجزہ کو پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علامت عین حقیقت نہیں ہوتی پیغمبر کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنے احکام کے پہنچانے کے لیے لوگوں کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہے۔

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا

قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیاں ہوں تو قطعاً یقین ہو جائے گا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہے اسی طرح معجزہ خدا کی نشانی ہے، اس لیے جس کے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔"

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہے اسکا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب مین کسی قاصد کو بھیجون گا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اُسکے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگون سے یہ نہین کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لیے ممکن نہین کہ پیغمبر ہی خود مبحوث فیہ ہے، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کے لیے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگون کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔ اس پہلو سے قطع نظر کرکے نبوت پر جو عام اعتراضات کیئے گئے ہین وہ آگے آتے ہین۔

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہے لیکن ان امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہین بہت سے حکمانے جن پر نہ وحی آتی تھی، نہ ان کو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اُس سے زیادہ نہ کر سکے، اس لیے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہے۔

(۲) انبیاء کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہمات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد یا تین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہمات امور تمام

مذاہب مین مشترک ہین اور اُن کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہے، اسلیے صرف دوسرا احتمال رہ گیا لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے ان کو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھہراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہنچتی ہے اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتون کے لیے اس قسم کے تنفاق اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا۔

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون یہودیون، پارسیون، غرض تمام مذاہب کے طریقۂ نماز سے حاصل ہوسکتا ہے، کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقون کو غلط قرار دینا اور اس کی بنا پر قتل وخون کو جائز رکھنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہے وہ سب مین مشترک ہے اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہین۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے احتراز ہے جس شخص مین یہ باتین پائی جائین ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو، لیکن انبیا ان باتون کے ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمال حسنہ کے ناجی نہ ہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا مین جسقدر مذاہب موجود ہین سب مین قابلِ اعتراض باتین پائی جاتی ہین، یہود خدا کو مجسّم مانتے ہین اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہین جو معمولی آدمیون مین پائے جاتے ہین، عیسائی خدا کی اُبوّت، اور حلول واتحاد کے قائل ہین، پارسیون کے ہان دو خدا ہین، قرآن مجید مین جبر وقدر کے متعلق نہایت کثرت سے متناقض اور متعارض آیتین ہین۔

تنبیہ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ مین ان الفاظ سے ادا کیا ہے

اِنَّ القراٰن مملوٌّ مِنَ الجبرِ وَالقدرِ وَالآیاتُ الوَارِدَۃُ فِیھِمَا اَکثَرُ مِنْ عَدَدِ الرِّمَالِ وَالحَصٰی

وَلَا شَكَّ اَنَّهَا مُتَنَاقِضَةٌ وَاِنَّ التَّوْفِيْقَ بَيْنَهَا لَا يَحْصُلُ اِلَّا بِتَعَسُّفٍ شَدِيْدٍ وَهٰذَا اَدَلُّ عَلٰى اَنَّ صَاحِبَ هٰذَا الْكِتَابِ كَانَ مُضْطَرِبَ الرَّاْىِ فِى الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ غَيْرَ جَازِمٍ بِاَحَدِ الطَّرَفَيْنِ

اخیر کا فقرہ نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرأت نہ کرسکے، اسکے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے نہایت بے تعصبی کے ساتھ معترضون کے ہر قسم کے اعتراض کو سُنا اور اُن کو اپنی تصنیفات مین درج کرکے اُنکے جواب دیے بخلاف اسکے آج ہمارے علما یہ تلقین کرتے ہین کہ دشمن کو آتا دیکھ کر اپنی آنکھین بند کرلینی چاہئین

نبوّت اور خرق عادت
کی
اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالب عالیہ مین اور تفصیلی، قاضی عضد نے مواقف مین دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہین جو اعتراضات کو اور زیادہ قوی کردیتے ہین، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ مین ہم نے ان کا ذکر بھی کیا ہے اسلیے یہان اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہین۔

اب ہم ان مباحث کو ائمہ فن کی راے کے موافق لکھتے ہین جس سے معترضین کے اعتراضات خود بخود رفع ہوجائین گے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہوجائے گی۔

یہ بحث درحقیقت مسائل ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے۔

(۲) کیا وہ نبوّت کی حقیقت مین داخل ہے۔

(۳) کیا اس سے نبوّت پر استدلال ہوسکتا ہے؟

(۴) نبوّت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

کیا خرق عادت ممکن ہے

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جسقدر حقائق اشیا سے ناآشنا ہوتا ہے اُسی نسبت سے علل واسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، ایک دہقان کا بچہ برسات کے زمانہ مین جب بادلون کو آتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میان آئے" یعنی بادلون کا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میان کے حکم سے پانی برسا" اب اُس نے خدا مین اور پانی مین بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، ٹھیٹھ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا مین کوئی درمیانی علت نہین ہے، خدا حکم دیتا ہے بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہین اور برستے ہین۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے وہان سے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بن جاتا ہے چنانچہ قدماے مفسرین اسی بات کے قائل تھے امام رازی نے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کی تفسیر مین اُن کے اقوال نقل کیے ہین لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر سے بخارات اُٹھتے ہین وہ اوپر جا کر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بنجاتے ہین، غرض جسقدر حقیقت طلبی اور غور رسی بڑھتی جاتی ہے، علل واسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہان تک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہے وہ علت ومعلول سبب ومسبب، شرط و مشروط، موثر اور موثر کے سلسلہ کے بغیر نہین ہوتا اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت سنۃ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتون مین اسی کی طرف اشارہ ہے۔

خرق عادت کا خیال اعتقاد کو پہلے پیدا ہوتا ہے

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ — خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحْوِیْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً — خدا کی عادت مین تغیر نہین اور تم خدا کی عادت مین تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اسلامی فرقون مین سے صرف اشاعرہ، اس سلسلہ کے منکر ہین، اُن کے نزدیک

صرف اشاعرہ سلسلۂ اسباب کے منکر ہین

کوئی شے کسی کی علت نہین نہ اشیا مین خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق مین جہان اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہین جنمین وہ متفرد ہین اُن مین اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے۔

اشاعرہ کے سوا باقی تمام فرقے بلکہ تمام دُنیا اس سلسلہ کی معترف ہے اس کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا لیکن باانیہمہ بظاہر اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر، سورۂ اعراف، حضرت موسیٰ کے عصا کے معجزہ کے ذکر مین لکھتے ہین

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَوْلَ بِتَجْوِیْزِ اِنْقِلَابِ الْعَادَاتِ عَنْ مَّجَارِیْهَا صَعْبٌ مُشْکِلٌ وَالْعُقَلَاءُ اِضْطَرَبُوْا فِیْهِ — جاننا چاہیے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور مشکل ہے اور ارباب عقل اس مین مضطرب ہین۔

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کیے ہین۔

۱۔ اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہان تک کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جزء لایتجزی دفعۃً عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس مین بیٹھا ہوا ہے چین کے کسی گانون کو دیکھ لے۔

۲۔ حکما طبعیین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے

۳۔ معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتون کے سوا ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہین وہ در اصل نزاع لفظی ہے اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہین کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہو سکتا ہے اور جو شخص اس کا قائل نہین وہ خرق عادت کا بھی قائل نہین ہو سکتا۔ اختلاف یون پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آتا ہے، تو عام لوگ اُس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع مین آتا ہے گو وہ اسباب

خرق عادت کے متعلق ... جو اختلاف ہے وہ نزاع لفظی ہے

غیر معمولی ہوتے ہین، امام صاحب نے مطالب عالیہ مین خرق عادت کے امکان کو اس طرح ثابت کیا ہے، کہ ممکن ہے کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع مین آئے، لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہین کیا کہ اس حالت مین وہ امر خرق عادت نہین ہے کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس شے کو جو خلاف عادت وقوع مین آئے، خرق عادت کہتے ہین گو اسکے لیے کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

خرق عادات کے متعلق اشاعرہ مین اختلاف رائے

اشاعرہ مین بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف راے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے خرق عادت کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُنکے نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہین۔ اسی قسم کے اولیا بلکہ کافر زندیق جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہین، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو اس کو سحر اور استدراج کہتے ہین، اور انبیا سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے لیکن جس قدر غور و فکر سے زیادہ کام کیا گیا یہ وسعت گھٹتی گئی، علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے تھے ان کا قول ہے کہ۔

إِنَّ الْكَرَامَةَ لَا تَبْلُغُ مَبْلَغَ خَرْقِ الْعَادَةِ کرامت خرق عادت کی حد تک نہین پہنچتی

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ مین بہت بڑے صوفی گذرے ہین ان کا قول ہے کہ بہت سی چیزین گو مقدورات الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہین لیکن یہ قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی سے سرزد نہین ہو سکتین[1]،

بو علی سینا کی راے

بو علی سینا نے اشارات کے اخیر مین ایک باب باندھا ہے جس مین خرق عادات پر بحث کی ہے، اس مین لکھا ہے کہ، اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کھانا نہین کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اُسکی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی پیشین گوئی کی، یا

[1] یہ دونون قول ابن السبکی نے طبقات جلد اول مین نقل کیے ہین، علامہ موصوف نے ایک نہایت مفصل مضمون خرق عادت کے جواز پر لکھا ہے۔

اسکی بد دعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین میں دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہو سکتے ہیں کہ جنکے ذریعے سے ان کا ظہور ہوتا ہے، بو علی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً امساک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو صحیح غذا پر عمل کرتا ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک نہیں لگتی کیونکہ بدل ما یتحلل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب حال کو خدا کے تصور میں اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کی طرف نہ مائل ہو، اس حالت میں مدت تک وہی غذا قائم رہے گی اور بدل ما یتحلل کی ضرورت نہ پڑے گی، یہی وجہ ہوتی ہے کہ محویت کی حالت میں بھوک بالکل جاتی رہتی ہے۔

بو علی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کیے ہیں مگر ان کا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کی جاتی ہے لیکن واقع میں وہ اصول قدرت کے خلاف نہیں ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے تو صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ أُمُورٌ أَسْبَابِيَّةٌ غَلَبَ عَلَيْهَا اللَّاهُوتُ فَبَايَنَتْ سَائِرَ الْأَسْبَابِيَّاتِ

یعنی معجزات اور کرامات اسبابی امور ہیں لیکن ان پر کمال غالب ہوگیا ہے اور اس وجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہیں

غرض کلی طور پر اس مسئلہ میں اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ کوئی چیز اصول قدرت کے خلاف وجود میں نہیں آسکتی، اس لیے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص (اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اس کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ واقعہ عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آیا ہے، نہ یہ کہ وہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہے۔

اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے

واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگون مین نہایت اختلاف ہے محققین کے نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہین۔

واقعات پر یقین کرنے کے کیا اصول ہین

(۱) جو واقعہ جسقدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اُس کے وقوع کا یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جسقدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اسپر یقین کرنے کے لیے زیادہ کد و کاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت سچا ہے اور اُسنے یہ روایت کی کہ فلان شہر مین پانی برسا تو فوراً یقین آجائے گا، لیکن وہی شخص اگر پانی کے بجائے خون کا برسنا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائے گی اور واقعہ کے ثبوت کے لیے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت کی حیثیت بدلتی جاتی ہے۔

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لیے کافی نہین۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہین، اُسکے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ نہین ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین مین شبہہ پیدا ہوجائے۔

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات و نفی کا کوئی پہلو یقینی نہین ہوتا اُسکی نسبت بھی ہم خالی الذہن نہین رہتے بلکہ دونون پہلوون مین سے جو زیادہ قریب الیقین ہوتا ہے ہم اُسپر اعتبار کرتے ہین۔

عام لوگ، ان اصول کو ملحوظ نہین رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فلان صوفی آگ مین گھس گئے اور آگ نے اُنپر کچھ اثر نہین کیا۔ اس واقعہ پر عام لوگ فوراً اعتبار کرلین گے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ابن خلکان مین مذکور ہے، لیکن ایک محقق شخص اس بات پر غور کریگا کہ یہ واقعہ جسقدر ممکن ہے اس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دھوکا کھایا ہو، یا بیچ کی رُوات سے غلطی ہوئی ہو یا قصداً اُن مین سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، البتہ جس درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے

اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہو سکے گا۔ اور یہ قرار دیا جائیگا کہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہون گے جن کی وجہ سے اُنکے بدن پر آگ کا اثر نہ ہوا ہوگا۔

اشاعرہ کی یہ شترگربگی حقیقت مین نہایت تعجب معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی خرق عادت کے ثبوت کا دعویٰ کرتے ہین تو صرف یہ ثابت کرتے ہین کہ وہ واقعہ ممکن ہے اور امکان کو اسقدر وسعت دیتے ہین کہ ہر قسم کے مستبعدات گو وہ ازل سے آج تک کبھی وقوع مین نہ آئے ہون، اُس مین شامل ہو جاتے ہین، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہین کرتے کہ واقعہ کے لیے جس قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہین اُس سے کہین زیادہ راویون کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لیے اگر صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیون نہ اختیار کرے گا جو زیادہ ممکن بلکہ قریب الوقوع ہے۔

بہر حال خرق عادت (بمعنی عام) سے کسی کو انکار نہین، جو کچھ بحث ہے وہ واقعات مین ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد ہو، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین۔

دوسری بحث۔ دُنیا مین ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور آج بھی من حیث الاغلب تمام آدمیون مین پایا جاتا ہے کہ انبیا، اور اولیا مین ضرور کوئی امر مافوق العادت ہوتا ہے اس خیال کا زور یہان تک پہنچا کہ انبیا مین شان ایزدی تسلیم کی گئی، ہندوون نے رام اور کرشن اور عیسائیون نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیکر جسمانی مانا۔ زمانہ کی استعداد اور عقل کی ترقی نے اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آکر ٹھہرا، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ، خرق عادت کو لازمہ نبوت سمجھتے تھے اُنھون نے نہایت تعجب سے کہا۔

خرق عادت ... ت کا لازمہ ہے ... نہیں

لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (یونس) اُسپر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہین اُترا؟

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ کافر کہتے ہین کہ خدا کے ہان سے اُسپر کوئی معجزہ کیون

اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ (رعد) — نہین اُترا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (الانبیاء) — اور کہتے ہین کہ یہ ہمارے پاس کوئی معجزہ اپنے خدا کے ہان سے کیون نہین لاتے

بعضون نے کہا معجزہ نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو ضرور ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ — اور کہتے ہین کہ ہم تجھ پر ایمان نہین لائینگے جب تک تو ہمارے لیے
یَنْبُوْعًا اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ — زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دے یا خود تیرے پاس کھجورون
فَتُفَجِّرَ الْاَنْہٰرَ خِلٰلَہَا تَفْجِیْرًا (بنی اسرائیل) — اور انگورون کا باغ نہ ہو جسکے درمیان تو نہر نہ چلا

اسلام جو اس لیے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق آج تک جو غلط خوش اعتقادیان چلی آتی تھین اور جو مسامحے اپنے حال پر رہنے دی گئی تھین اُن کو قطعاً رفع کر دیا جائے جو اس لیے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اسکا یہ کام تھا کہ جس طرح اُس نے توحید کو مکمل کیا تھا، نبوت کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھا دے، اسی لیے سب سے پہلے اُس نے نہایت صفائی، نہایت آزادی، نہایت وضاحت سے اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزین بشریت سے بالاتر ہین وہ پیغمبر مین نہین ہوتین۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ — اے پیغمبر ان لوگون سے کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس
اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ — خدا کے خزانے ہین اور نہ مین غیب جانتا ہون اور نہ مین یہ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (انعام) — کہتا کہ مین فرشتہ ہون، مین تو اس حکم پر چلتا ہون جو میری طرف وحی
قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا — کیا جاتا ہے، اے پیغمبر ان لوگون سے کہدو کہ مین اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی
مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ — اختیار نہین رکھتا، ہان جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مین غیب کی
مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ — بات جانتا تو بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجکو کوئی ضرر نہ پہنچتا مین تو صرف
وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اعراف) — ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہون ان لوگون کے لیے جو ایمان لاتے ہین

یہ مسئلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معتقدات عوام کے بالکل خلاف تھا لیکن شارع نے اس اہتمام سے اس کی تلقین کی کہ قرون اولیٰ تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہین ہوئی۔

اسکے بعد اُس عالمگیر اور ازلی غلطی کو رفع کیا کہ **نبوت** اور **معجزہ** مین تلازم ہے، منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر **موقوف** سمجھتے تھے اُنکے جواب مختلف طریقے سے دیے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت، معجزہ پر موقوف نہین۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۔ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)

اور کفار کہتے ہین کہ اُنپر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہان سے کیون نہین اُتری" اے محمد! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لیے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (رعد)

اور کافر کہتے ہین کہ اُنپر کوئی نشانی خدا کے ہان سے کیون نہین اُتری اے محمد! کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ (عنکبوت)

اور کافر کہتے ہین کہ اُنپر خدا کے ہان سے معجزے کیون نہین آئے۔ کہدو کہ معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہین اور مین تو صرف ڈرانے والا ہون۔

سورۂ بنی اسرائیل مین بیان کیا کہ منکرین کہتے ہین کہ "ہم تو تم پر جب ایمان لائین جب تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کردو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو، یا خدا اور فرشتون کو سامنے لاکر کھڑا کردو۔ یا سونے کا مکان طیار کردو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ" پھر ان سب کے جواب مین خدا نے کہا۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا۔ کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون، اور پیغمبر ہون

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتون کو طلب کرتے تھے وہ نا ممکن اور محال نہ تھین تاہم خدا نے اُن کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو یہ باتین خدا کے اختیار مین ہین لیکن نبوت کے ثبوت مین اُن کو پیش کرنا اسی قدیم غلطی مین لوگون کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار

اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہین، ایک آیت مین خدا خود فرماتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ
قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (انعام)

اور کفار کہتے ہین کہ محمد پر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون
نہ اترا۔ کہدے کہ خدا اسپر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے
لیکن یہ لوگ جاہل ہین۔

امام رازی سورۂ عنکبوت آیت وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الرِّسَالَةِ الْآيَةُ الْمُعْجِزَةُ

پیغمبر کے لیے معجزہ شرط نہین ہے۔

پھر تھوڑی دور کے بعد لکھتے ہین۔

وَلِهٰذَا اعْلَمْ وَجُوْدُ رُسُلٍ كَشِيْثَ وَ
اِدْرِيْسَ وَشُعَيْبَ وَلَمْ تَعْلَمْ لَهُمْ مُعْجِزَةٌ

اسی وجہ سے ایسے انبیاء بھی گذرے ہین مثلاً حضرت شیث
و ادریس و شعیب جنکے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہین

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ مین لکھتے ہین۔

فَلَيْسَتِ الْمُعْجِزَاتُ وَلَا اِسْتِجَابَةُ الدَّعْوَاتِ
وَنَحْوُ ذٰلِكَ اِلَّا اُمُوْرًا خَارِجَةً عَنْ
اَصْلِ النُّبُوَّةِ لَازِمَةً لَهَا فِي الْاَكْثَرِ

معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتین،
اصل نبوت سے خارج ہین لیکن اکثر حالات مین نبوت
کے ساتھ لازم ہین۔

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، اسمین نبوت کی حقیقت لکھ کر لکھتے ہین کہ نبوت کا یقین آنحضرت کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُس کے بعد لکھتے ہین۔

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ
بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ

تو اس طریقے سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس سے کہ لاٹھی
سانپ بن گئی اور چاند پھٹ گیا۔

تیسری بحث معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف اشاعرۂ ظاہرین کا مذہب ہے اور وہ بھی یہ دعوے نہین کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ کے صادر

ہونے کے وقت لوگون کو عادۃً یقین ہو جاتا ہے، نہ عقلاً

شرح مواقف مین ہے۔

وَهٰذِهِ الدَّلَالَةُ لَيْسَتْ دَلَالَةً عَقْلِيَّةً مَحْضَةً بَلْ وَهِيَ دَلَالَةٌ عَادِيَّةٌ كَمَا اَشَارَ بِقَوْلِهٖ وَهِيَ هٰهُنَا اَيِ الْاَشَاعِرَةِ اِجْرَاءُ اللّٰهِ عَادَتَهٗ بِخَلْقِ الْعِلْمِ بِالصِّدْقِ عَقِيْبَهٗ

اور یہ دلالت محض عقلی نہین ہے بلکہ وہ دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظون مین اشارہ کیا ہے کہ یہ دلالت ہمارے نزدیک (اشاعرہ) اس بنا پر ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم خدا لوگون کے دل مین پیدا کر دیتا ہے

یہ دعویٰ بھی کلی طور نہین کیا جا سکتا، ورنہ بداہت کی تکذیب لازم آئے گی علانیہ ثابت ہے کہ انبیا کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزارون آدمی ایمان نہین لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والون کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والون سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ائمۂ فن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لیے کافی نہین۔

امام غزالی۔ منقذ من الضلال بحث نبوت مین لکھتے ہین۔

فَمَنْ ذَا لِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ

تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو۔ نہ اس بات سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا

راغب[1] اصفہانی لکھتے ہین۔

وَذٰلِكَ يَطْلُبُهٗ اَحَدُ رَجُلَيْنِ اِمَّا نَاقِصٌ عَنِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْكَلَامِ الْاِلٰهِيِّ وَبَيْنَ الْبَشَرِيِّ وَاِمَّا نَاقِصٌ وَهُوَ مَعَ نَقْصِهٖ مُعَانِدٌ

اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہین۔ یا وہ جو کلام الٰہی اور کلام انسانی مین تمیز نہین کر سکتا یا وہ جو اس کے ساتھ ہٹ دھرم بھی ہے۔

---

[1] کتاب الذریعہ صفحہ ۷۰۔

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اسکے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیے وہ اوپر گذر چکے امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات میں اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات میں اپنی خاص تحقیقات بیان کیں، اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پُر از مشکلات ہے۔ امام رازی مطالب عالیہ میں لکھتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَائِلَ بِالنُّبُوَّةِ فَرِیْقَانِ اَحَدُهُمَا	نبوت کے قائل دو فریق ہیں
الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اَنَّ ظُهُوْرَ الْمُعْجِزَاتِ عَلٰی یَدِهٖ	ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے
یَدُلُّ عَلٰی صِدْقِهٖ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الطَّرِیْقُ الْاَوَّلُ	کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے اور دنیا کے
وَعَلَیْهِ عَامَّةُ اَرْبَابِ الْمِلَلِ وَالنِّحَلِ۔	تمام اہل مذاہب اس کے قائل ہیں۔
وَالْقَوْلُ الثَّانِیْ اَنْ نَقُوْلَ اِنَّا نَعْرِفُ اَوَّلًا اَنَّ	دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ صحیح عقائد
الْحَقَّ وَالصِّدْقَ فِی الْاِعْتِقَادَاتِ مَا هُوَ	اور اعمال کیا ہیں، اس امر کے ثابت ہو جانے کے بعد
وَاَنَّ الصَّوَابَ فِی الْاَعْمَالِ مَا هُوَ فَاِذَا عَرَفْنَا	جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگوں کو دین حق کی
ذٰلِكَ ثُمَّ رَاَیْنَا اِنْسَانًا یَدْعُو الْخَلْقَ اِلَی	دعوت دیتا ہے اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگوں کو
الدِّیْنِ الْحَقِّ وَرَاَیْنَا اَنَّ لِقَوْلِهٖ اَثَرًا قَوِیًّا	باطل سے حق کی طرف لانے میں نہایت قوی اثر رکھتی ہے
فِیْ صَرْفِ الْخَلْقِ مِنَ الْبَاطِلِ اِلَی الْحَقِّ	تو ہم کو یقین ہو جائے گا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب
عَرَفْنَا اَنَّهٗ نَبِیٌّ صَادِقٌ وَاجِبُ الْاِتِّبَاعِ وَهٰذَا	الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے
الطَّرِیْقُ اَقْرَبُ اِلَی الْعَقْلِ وَالشُّبُهَاتُ فِیْهِ اَقَلُّ	اور اس پر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہیں۔

نبوت کی ایک دوسری تشریح

امام رازی اس دوسرے طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں

اس کے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایک عنوان باندھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے بھی یہی طریقہ افضل ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ فِیْ بَیَانِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ	دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے میں کہ قرآن

اس طریقہ کا ثبوت قرآن مجید سے۔

یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ ھٰذَا الطَّرِیْقَ ھُوَ الطَّرِیْقُ الْاَکْمَلُ الْاَفْضَلُ فِیْ اِثْبَاتِ النُّبُوَّۃِ — مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے مین یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے۔

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین۔

اَلْفَصْلُ الْخَامِسُ فِیْ بَیَانِ اَنَّ اِثْبَاتَ النُّبُوَّۃِ بِھٰذَا الطَّرِیْقِ اَقْوٰی وَ اَکْمَلُ مِنْ اِثْبَاتِھَا بِالْمُعْجِزَاتِ۔ — پانچوین فصل اس بات کے بیان مین کہ نبوت کا اس طریقہ سے ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہے بہ نسبت اسکے کہ وہ معجزہ سے ثابت کی جائے،

تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر مین یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (سورۂ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسرے طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلیٰ و اکمل و افضل ہے

امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے ہم ان سب کی تقریرون کو نقل کرتے ہین جس سے نبوت کی پوری تصویر ذہن مین آجائے گی اور یہ ظاہر ہوگا کہ متداول کتب کلامیہ مین جو لکھا ہے صرف اشاعرۂ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ مین نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔ ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصہ بعینہ کتاب کے ضمیمہ مین شامل کردیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہیں۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کیے ہین۔ وہ یہ ہین۔

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

(۱) انسان کا اصلی کمال حقائق اشیاء اور خیر و شر کا ادراک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتین دی گئی ہیں نظری عملی۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیا کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیا کا صحیح علم ہو یعنی جو شے ذہن مین آئے ٹھیک اُس صورت مین آئے جو اُس کی اصلی اور حقیقی صورت ہے

عملی کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہیں؟ اور کون سے نہیں اس کا کمال یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہوں۔

(۲) ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف مین ناقص ہین۔

(۲) خود کامل ہین لیکن ناقصون کی تکمیل نہیں کر سکتے۔

(۳) خود کامل ہین اور ناقصون کو کامل بنا سکتے ہیں۔

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہین، نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور مین صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونون درجون کے بیچ مین ہزارون درجے ہین یہان تک کہ اگر ہزارون لاکھون افراد انسانی کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف مین متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان و کمال دونون کی انتہائی حدین ہین اس لیے ضرور ہے کہ ہر زمانہ مین کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہنچا ہو، اب جس شخص مین یہ دونون قوتین کامل درجہ پر پائی جائین، اور دوسرون کو بھی کمال کے درجہ تک پہنچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے[۱]

امام صاحب یہ ثابت کر کے کہ نبوت صرف قوت نظری و عملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس مین کچھ دخل نہین، لکھتے ہین۔

وَمِنْ جُمْلَةِ الْاٰیَاتِ الدَّالَّةِ عَلٰی صِحَّةِ مَا ذَکَرْنَاہُ اور منجملہ ان باتون کے جن سے ہمارے دعوی مذکور کی صحت

[۱] یہ مطالب عالیہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبیر آیت قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا الخ (ابراہیم) کی تفسیر مین اسی تقریر کو زیادہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ امام غزالی سے ماخوذ ہے۔ اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ فَهٰذِهٖ اَسْرَارٌ عَالِيَةٌ مَخْزُوْنَةٌ فِي اَلْفَاظِ الْقُرْاٰنِ ۱۲

أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا حَكَى عَنِ الْكُفَّارِ أَنَّهُمْ طَلَبُوا مِنْهُ الْمُعْجِزَاتِ الْقَاهِرَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ثُمَّ أَنَّهُ تَعَالَى قَالَ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا يَعْنِي كَوْنَ الشَّخْصِ إِنْسَانًا مَوْصُوفًا بِالرِّسَالَةِ مَعْنَاهُ كَوْنُهُ كَامِلًا فِي قُوَّتِهِ النَّظَرِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ وَقَادِرًا عَلَى مُعَالَجَةِ النَّاقِصِينَ فِي هَاتَيْنِ الْقُوَّتَيْنِ وَلَيْسَ يَلْزَمُ مِنْ حُصُولِ هَذِهِ الصِّفَةِ كَوْنُهُ قَادِرًا عَلَى الْأَحْوَالِ الَّتِي طَلَبْتُمُوهَا مِنْهُ۔

ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ خدا نے کافروں کا یہ قول نقل کیا کہ وہ اے محمد ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم زمین میں سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو وغیرہ وغیرہ" تو اس کے جواب میں خدا نے کہا کہ اے محمد کہہ دو کہ "سبحان اللہ میں تو صرف آدمی اور پیغمبر ہوں" یعنی کسی آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اسی پر موقوف ہے کہ وہ قوت نظری و عملی میں کامل ہو، اور ناقصوں کو کامل کرسکتا ہو۔ اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ ان باتوں پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں **نبوت** کی حقیقت زیادہ نکتہ سنجی اور حقیقت شناسی کے ساتھ لکھی ہے، چنانچہ ہم اُن کے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنے پیرایہ میں ادا کرتے ہیں لیکن ہم نے اپنی طرف سے کوئی بات اضافہ نہیں کی ہے۔

"اس امر کے سمجھنے کے لیے کہ انسان کا مکلّف ہونا، اور شرائع اور ادیان کا قائم ہونا سب فطری امور ہیں، سلسلۂ کائنات پر غور کرنا چاہیے۔

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختوں کو دیکھو، اُن کے ہزاروں لاکھوں اقسام ہیں لیکن ہر ایک کی شاخیں پتے پھول۔ پھل، پھلوں کی بو باس، رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، ان کی صورت نوعیہ کے نتائج ہیں یعنی ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہیں خود اس کی صورت نوعیہ نے پیدا کی ہیں۔ اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور، شیریں، لطیف، باریک پوست، کیوں پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیونکہ یہ سوال کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ انگور، انگور کیوں ہوا انگور کی فطرت خود اس کی مقتضی ہے کہ وہ شیریں ہو، لطیف ہو، باریک پوست ہو۔

اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان مین سے ہر ایک کی شکل، صورت، رنگ، جدا ہے لیکن ان مین نباتات سے بڑھ کر کچھ اور چیزین بھی ہین یعنی اختیاری حرکات اور فطرتی الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوے ہین جن کی وجہ سے وہ اپنے نبی نوع سے ممتاز ہے اور جو اُس کے تمام ضروریات وخصوصیات زندگی کے کفیل ہین، اُن کی تربیت و پرورش کے لیے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہین، نباتات چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ نہین، ہین اس لیے ان میں رگ و ریشے پیدا کیے گئے ہیں جو پانی، ہوا اور مٹی، کے لطیف اجزا کو چوستے ہین اور تمام شاخ و برگ مین تقسیم کرتے ہین، حیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لیے اُس کو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہین، چارپائے گھانس چرتے ہین، درندہ گوشت کھاتا ہے۔ پرند اُڑتے ہین مچھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف صور نوعیہ کے نتائج ہیں، اور یہی صورت نوعیہ ہر ایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات۔ خاص علوم، خاص الہامات، عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہین، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور ادراکات ہین سب فطری اور الہامی ہین، یعنی ان سب کو کسب اور اکتساب سے دخل نہین بلکہ وہ علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہین، اور یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ (جنہین وہ اور دیگر تمام حیوانات، برابر کے شریک ہین) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہین اور جو تجربہ۔ غور و فکر اور ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے، یہی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، حرفت، اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے، یہی قوت ہے جو مختلف پیرایون مین ظاہر ہو کر کسی کو بادشاہ کسی کو سپہ سالار۔ کسی کو حکیم۔ کسی کو صنعت گر بناتی ہے۔

لیکن یہ تمام علوم وادراکات وہ ہین جوانسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے ہین۔ ان کے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اس کی روحانیت کا خاصّہ ہے، اور جس کو قوت ملکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوّت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد وپیش کی مخلوقات کو دیکھ کر یہ غور کرتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ کیونکر قائم ہوگیا، خود مجکو کس نے پیدا کیا؟ کون مجکو روزی دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب مین وہ ایک قوّت اعظم کا قائل ہوتا ہے، اور پھر اس کے سامنے سرِعجز خم کرتا ہے اور خضوع وخشوع کے تمام آداب بجا لاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات شجر و حجر چاند، سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان، سب اُس مدبّرِ اعظم کے معترف ہین اور اُس کے آگے سربہ نیاز ہین جیسا کہ قرآن مجید مین ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ — کیا تم یہ نہین دیکھتے کہ آسمان اور زمین مین جو چیزین ہین اور آفتاب وماہتاب ودرخت وچارپایے سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہین۔

لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبانِ حال سے ہے اور انسان کو حال کے ساتھ زبانِ قال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاسّہ انفعال بھی اسی روحانی قوّت کا اثر ہے یعنی جب انسان کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اُس کے دل پر قائم رہ جاتا ہے، اگر وہ اچھا کام تھا تو اُس کے دل مین انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر بُرا تھا تو انقباض ہوتا ہے (جانوروں مین یہ حاسّہ بالکل نہین ہے)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضا سے سلسلہ بسلسلہ بہت سے اصول، قواعد، عقائد، اعمال، قائم ہوجاتے ہین لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، اور چونکہ انسان کا کمالِ روحانی اسپر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بدی، اور بُرائی بھلائی کا ایک مکمل قانون تیار ہوجائے اس لیے خدا مدتون مین ایک شخص پیدا کرتا ہے جو وحی الٰہی کے القا کے قابل ہوتا ہے، یہ شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہے، اسی کے دامنِ تربیت مین پلتا ہے، اُس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگون کو حکم ہوتا ہے کہ اُسکے

امر دینی کو بجا لائین - لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے -

فَإِنْ قِيلَ مِنْ أَيْنَ وَجَبَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يُصَلِّيَ وَمِنْ أَيْنَ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يَنْقَادَ لِلرَّسُولِ وَمِنْ أَيْنَ حَرُمَ عَلَيْهِ الزِّنَا وَالسَّرِقَةُ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَيْهِ هٰذَا وَحَرُمَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ مِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى الْبَهَائِمِ أَنْ تَرْعَى الْحَشِيشَ وَحَرُمَ عَلَيْهَا أَكْلُ اللَّحْمِ وَمِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى النَّحْلِ أَنْ تَتَّبِعَ الْيَعْسُوبَ إِلَّا أَنَّ الْحَيَوَانَ اسْتَوْجَبَ تَلَقِّيَ عُلُومِهَا إِلْهَامًا جِبِلِّيًّا وَاسْتَوْجَبَ الْإِنْسَانُ تَلَقِّيَ عُلُومِهِ كَسْبِيًّا وَنَظَرًا وَوَحْيًا وَتَقْلِيدًا (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۳)

اگر کوئی کہے کہ انسان پر نماز پڑھنا، اور پیغمبر کی اطاعت کرنا اور زنا و سرقہ سے بچنا کیون واجب ہوا تو جواب یہ ہے کہ اسی طرح جس طرح چرندون پر یہ واجب ہے کہ گھاس چریں اور گوشت نہ کھائین، اور جس طرح شہد کی مکھیون پر واجب ہے کہ مکھیون کا جو سردار ہے اُسکی اطاعت کریں، فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم، محض الہام سے حاصل ہوتے ہین اور انسان کو کسب و نظر اور وحی و تقلید سے، لیکن دونون کو ان علوم کا حاصل ہونا ضروری اور وجبی ہے -

نبوت کے متعلق امام غزالی کی رائے

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ **معارج القدس** مین بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ یہان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے کتاب المنقذ اور احیاء العلوم مین لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہین - وہ فرماتے ہین - کہ

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات مین کسی چیز سے واقف نہین ہوتا سب سے پہلے اُس مین لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین، مثلاً حرارت - برودت - یبوست - نرمی سختی، اس حاسّہ کو مرئیات - اور مسموعات سے تعلق نہین - جو شے محض سُننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق مین یہ حاسّہ بالکل معدوم ہے، لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسّہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سُننے کی قوت پیدا ہوتی ہے، پھر چکھنے کی، یہان تک کہ

محسوسات کی حد ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اُس کو تمیز دی جاتی ہے اور اُن چیزون کا ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہے اُس سے آگے بڑھ کر **عقل** کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن، محال، جائز، ناجائز، کا ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہوتا ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لیے حواس بالکل بیکار ہین اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لیے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام **نبوت** ہے۔

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزون کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے۔

منقذ من الضلال مین لکھتے ہین۔

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّۃِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْہِ عَیْنٌ یُدْرِکُ بِھَا مُدْرَکَاتٌ خَاصَّۃٌ وَالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْھَا کَعَزْلِ السَّمْعِ عَنْ اِدْرَاکِ الْاَلْوَانِ الخ

نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس مین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزین معلوم ہوتی ہین جن سے عقل بالکل محروم ہے، جس طرح سامعہ رنگ کے ادراک سے بالکل معذور ہے،

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا ذائقہ حاصل ہے، یا ان لوگون کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضات اور مجاہدات سے مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال مین اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وَبِالْجُمْلَۃِ فَمَنْ لَّمْ یُرْزَقْ مِنْہُ شَیْئًا بِالذَّوْقِ فَلَیْسَ یُدْرِکُ مِنْ حَقِیْقَۃِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْاِسْمَ

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہین چکھا ہے وہ نبوت کی حقیقت نہین جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جانتا ہے

۵۱ منقذ من الضلال صفحہ ۱۳

اس کے بعد لکھتے ہین۔

وَمِمَّا بَانَ لِی بِالضَّرُوْرَةِ مِنْ مُمَارَسَةِ طَرِیْقَتِهِمْ حَقِیْقَةُ النُّبُوَّةِ وَخَاصِّیَّتُهَا — صوفیون کی طریقہ کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اس کی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہوگئی۔

نبوت کے ایک اور طریقہ سے نبوت کی حقیقت

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے **نبوت** کی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیون مین یکسان نہین پیدا کی گئین۔ ذہن و ذکاوت، فہم و فراست، عقل و ذہانت، مختلف افراد انسانی مین کسقدر مختلف المراتب ہین۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین، تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہان تک نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جو بظاہر قدرت انسانی کے حد سے باہر نظر آتے ہین۔ جو لوگ شاعری مین۔ قوت تقریر مین۔ صناعی مین۔ ایجاد مین تمام زمانہ سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی متالین ہین۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے نہین ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگون مین یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کرین ان کے ہم پلہ نہین ہو سکتے انھین قوی مین حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی مین کم ہے اور کسی مین زیادہ۔ کسی مین زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانون مین اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہین ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکہ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہین۔

امام صاحب نے یہ مضمون[1] احیاء العلوم کے شروع مین ایک ضمنی بحث مین لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ بَیَانُ تَفَاوُتِ النَّاسِ فِی الْعَقْلِ چنانچہ اسکے بعض فقرے یہ ہین۔

وَکَیْفَ یُنْکَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِیْزَةِ وَلَوْلَا ذٰلِکَ لَمَا — فطرت کے تفاوت کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے، یہ تفاوت نہ ہوتا

[1] ہمنے اس مضمون کو اپنے طرز بیان مین ادا کیا ہے۔

اختلفت الناس في فهم العلوم ولما انقسموا
إلى بليد لا يفهم بالتفهيم إلا بعد تعب طويل من
المعلم وإلى ذكي يفهم بأدنى رمز وإشارة و
إلى كامل ينبعث من نفسه حقائق الأمور دون
التعلم كما قال تعالى يكاد زيتها يضيء ولو لم
تمسسه نار نور على نور وذلك مثل الأنبياء
عليهم السلام إذ يتضح لهم في بواطنهم أمور
غامضة من غير تعلم وسماع ويعبر عن ذلك
بالإلهام وعن مثله عبر النبي صلى الله عليه
وسلم حيث قال إن روح القدس نفث في روعي الخ

تو علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا۔ اور
یہ بات کیون ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو اُستاد کے
سمجھانے پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ
ذرا سے اشارے مین سمجھ جاتے ہین۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین
اور خود اُنکی طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہین جیسا کہ
خدا نے کہا ہے یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار۔ اور
انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے اُنکے دل مین دقیق باتین
خود باتین خود بخود بغیر سکھانے اور سُننے کے روشن اور ظاہر
ہوجاتی ہین اور اسی کو الہام کہتے ہین اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسطرح تعبیر کیا ہے کہ روح القدس نے میری روح مین پھونکا

امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہین کہ "اب اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہین تو اُس کے حالات خود اُس کی شہادت دے سکتے ہین۔ امام شافعیؒ کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیون یقین ہے؟ اس لیے کہ فقہ مین اُن کی نہایت عمدہ تصنیفات موجود ہین۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین، اور یہ دیکھتے ہین کہ نبوت کے جو آثار ہین اُس کے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا"[51]

نبوت کے متعلق محدث ابن حزم کی رائے

محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلّم و تعلیم کے علم حاصل ہو چنانچہ لکھتے ہین[52]۔

فصح أن النبوة في الامكان وهي بعثة
قوم قد خصهم الله تعالى بالفضيلة لا لعلة

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے اور نبوت کے معنی یہ
ہین کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور اُن کو فضیلت کے

[51] منقذ من الضلال از صفحہ ۲۴ تا ۲۶ [52] ملل ونحل ابن حزم ۱۷

إلا أنه شاء ذلك فعلمهم الله العلم بدون تعلم ولا تنقل في مراتبه ولا طلب له، ومن هذا الباب ما يراه أحدنا في الرؤيا فيخرج صحيحا

ساتھ مخصوص کر دیتا ہے، نہ کسی علت کی وجہ سے بلکہ صرف اپنی رضا کی وجہ سے خدا ان کو علم سکھلاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر بہ مدارج ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح ہم لوگ خواب میں کچھ دیکھتے ہیں اور وہ صحیح نکل آتا ہے

محدث موصوف نے اس کا امکان اس طرح ثابت کیا ہے کہ دُنیا میں جسقدر علم و فن، صنعت و حرفت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اوّل کو اُن کا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلّم کے ہوا ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اس لیے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہے چنانچہ محدث موصوف بہت سے صنائع و فنون کے نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

فوجب بالضرورة أنه لا بد من إنسان واحد فأكثر علمهم الله ابتداء كل هذا دون معلم لكن بوحي حققه عنده وهذه صفة النبوة[له]

تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے انسان پائے جائیں جن کو خدا نے یہ علوم و صنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھلائے اور یہی نبوت کی صفت ہے

ان تمام تقریروں کا ماحصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتیں عطا کی ہیں جو بعض افراد میں بالکل نہیں پائی جاتیں اور بعض میں بہ تفاوت درجات پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکہ نبوت ہے یہ قوت تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے جس شخص میں یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق میں کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اوروں کو کامل بنا سکتا ہے، یہ شخص کسی سے تعلیم و تربیت نہیں پاتا بلکہ بغیر تعلم و تعلیم کے اسپر حقائق اشیاء منکشف ہو جاتے ہیں۔

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات بداہۃً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوتا (مثلاً ہومر اور امراء القیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا

له ملل و نحل صفحہ ۷۰ مطبوعہ مصر۔

فصیح و بلیغ۔ شاعر۔ یا خطیب۔ یا صناع۔ یا بعید ہوتا ہے کہ تمام زمانہ مین اُس کا جواب نہین ہوتا تو پھر کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ اُن پر بغیر تعلّم و تعلیم کے، اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہو جائین،

کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اکثر انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اس کے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دُنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کیے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہان تک نہ پہنچ سکا تھا۔

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتون کو سچ سمجھنا، خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہے ایک شخص جو حق کا تشنہ ہے جس کا وجدان صحیح ہے، جو سچ اور جھوٹ مین تمیز کر سکتا ہے جس کے دل مین سچّی بات آپ سے آپ اُتر جاتی ہے، وہ جب کبھی نبی سے تلقین و ہدایت سُنتا ہے تو بیہودہ کج بحثیون مین نہین پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہے کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے مولانا روم نے اس کی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کرے گا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ پانی ہے، یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لیے بلائے تو کیا اس کو شک ہوگا کہ یہ میری مان ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لیے بلا رہی ہے، چنانچہ فرماتے ہین۔

نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے۔

تشنہ را چون بگوئی تو شتاب ... در قدح آب است بستان زود آب
ہیچ گوید تشنہ کاین دعوی است رو ... از برم اے مدعی مہجور شو
یا گواہ و حجتے بنما کہ این ... جنس آب ست و ازان ماء معین
یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد ... کہ بیا من مادرم ہان اے ولد
طفل گوید مادرا حجت بیار ... تا کہ با شیرت بگیرم من قرار
در دل ہر امتی کز حق مزہ است ... روی و آواز پیمبر معجزہ است

چون پیمبر از برون بانگے زند — جانِ اُمت در درون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ او اندر جہان — از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جان

امام راغب اصفہانی لکھتے ہین کہ انبیا کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہین پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہین، اُن کے چہرون پر وہ نور ہوتا ہے جو دلون کو فریفتہ کر لیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کر لیتے ہین، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہو جاتی ہے" پھر لکھتے ہین۔

وَهٰذِهِ الْاَحْوَالُ اِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ ذُو الْبَصِيْرَةِ مَعَهَا اِلٰى مُعْجِزَةٍ وَلَا يَطْلُبُهَا

اور یہ حالات جب پائے جاتے ہین تو سمجھدار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہین رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہین ہوتا

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہین کہ جو شخص آنحضرت کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی نبوت پر یقین ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہین،

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ وَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ الخ

تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس سے کہ عصا سانپ ہو گیا یا چاند شق ہو گیا،

معارف فی شرح الصحائف مین جو علم کلام کی مستند کتاب ہے آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنے معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے۔

اَلْوَجْهُ الثَّانِيْ فِيْ اِثْبَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلْعَمْ اَلْاِسْتِدْلَالُ بِاَخْلَاقِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْكَامِهٖ

دوسرا طریقہ آنحضرت کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرت کے افعال۔ اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا ہے۔

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں۔

وَهٰذَا الْوَجْهُ بِالْحَقِيْقَةِ يُعَيِّنُ حَقِيْقَةَ النُّبُوَّةِ

اور یہ طریقہ در حقیقت نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے

لہ الذریعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹۔

انبیا کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ

انبیا کے تعلیم کے اصول

مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیا کے اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہین رکھتے، علم کلام کی متداول کتابون مین اس ضروری نکتہ کو بالکل نظرانداز کردیا ہے، لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ مین۔ ابن رشد نے کشف الادلہ مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہین ان مین ضروری الذکر یہ ہین۔

پہلا اصول

(۱) انبیا کی اگرچہ عوام و خواص دونون کی ہدایت مقصود ہوتی ہے، لیکن چونکہ عوام کے مقابلہ مین خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لیے ان کی طرز تعلیم اور طریقۂ ہدایت مین عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ضمن مین ایسے الفاظ موجود ہوتے ہین جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خاص ہوتے ہین۔

امام رازی نے **آیات متشابہات** کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

اَنَّ الْقُرْاٰنَ كِتَابٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰى دَعْوَةِ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِّ بِالْكُلِّيَّةِ وَطَبَائِعُ الْعَوَامِّ تَسْبُوْ فِيْ اَكْثَرِ الْاُمُوْرِ عَنْ اِدْرَاكِ الْحَقَائِقِ۔ فَكَانَ الْاَصْلَحُ اَنْ يُخَاطَبُوْا بِاَلْفَاظٍ دَالَّةٍ عَلٰى بَعْضِ مَا يُنَاسِبُ مَا يَتَوَهَّمُوْنَهٗ وَيَتَخَيَّلُوْنَهٗ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مَخْلُوْطًا بِمَا يَدُلُّ عَلَى الْحَقِّ الصَّرِيْحِ	قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص و عام سب کو حق کی طرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ اکثر طبیعت اکثر امور مین حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے اس لیے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جو عوام کے خیالات اور تصورات کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتے ہون اور اُسکے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملحوظ ہو

(تفسیر کبیر آل عمران آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ)

ابن رشد فصل المقال مین لکھتے ہین۔

وَيَكُوْنُ الشَّرْعُ مَقْصُوْدُهُ الْاَوَّلُ الْعِنَايَةَ بِالْاَكْثَرِ مِنْ غَيْرِ اِغْفَالٍ لِتَنْبِيْهِ الْخَوَاصِّ

شریعت کا مقصود اولی جمہور عوام کے ساتھ اعتنا کرنا ہے تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہین کی جاتی۔

دوسرا اصول

(۲) انبیا۔ لوگون کی عقل و علم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہیں لیکن اس علم و عقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی مین پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ۔ مراقبہ۔ ممارست کی وجہ سے جو علم و عقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیا کے خطاب کا موضوع نہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ اَنْ لَا يُكَلِّمُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمُ الَّتِيْ خُلِقُوْا عَلَيْهَا وَذٰلِكَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُخَاطِبُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰى مِنْهَاجِ اِدْرَاكِهِمُ السَّاذَجِ الْمُوْدَعِ فِيْهِمْ بِاَصْلِ الْخِلْقَةِ فَلِذٰلِكَ لَمْ يُكَلِّفُوا النَّاسَ اَنْ يَعْرِفُوْا رَبَّهُمْ بِالتَّجَلِّيَاتِ وَالْمُشَاهَدَاتِ وَلَا بِالْبَرَاهِيْنِ وَالْقِيَاسَاتِ وَلَا اَنْ يَعْرِفُوْهُ مُنَزَّهًا مِنْ جَمِيْعِ الْجِهَاتِ (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۸۸)

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگون سے ان کی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہین اس لیے انبیا نے محض اُس فہم اور ادراک کے لحاظ سے خطاب کیا، جو ان لوگون کی خلقت مین ودیعت ہے چنانچہ انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ خدا کو تجلیات۔ مشاہدات۔ براہین۔ اور قیاسات کے ذریعہ سے پہچانین، نہ ان کو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت، اور ہر حیثیت سے منزّہ خیال کرین،

تیسرا اصول

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ **انبیا** تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کے سوا اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہین ہوتے، اور اس قسم کے امور کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انھین کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اس مین بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ اَنْ لَا يَشْتَغِلُوْا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيْبِ النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْاُمَّةِ كَبَيَانِ اَسْبَابِ حَوَادِثِ الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوْفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ وَالْحَيَوَانِ وَمَقَادِيْرِ سَيْرِ

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ بات ہے کہ جو امور تہذیب نفس، اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے ان مین وہ دخل نہین دیتے مثلاً کائنات الجو یعنی بارش گرہن۔ ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب نباتات اور

الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَأَسْبَابِ الْحَوَادِثِ الْيَوْمِيَّةِ وَقِصَصِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُلُوكِ وَالْبُلْدَانِ وَنَحْوِهَا اَللّٰهُمَّ اِلَّا كَلِمَاتٍ يَسِيْرَةً أَلِفَهَا أَسْمَاعُهُمْ وَقَبِلَهَا عُقُوْلُهُمْ يُؤْتَى بِهَا فِي التَّذْكِيْرِ بِآلَاءِ اللّٰهِ وَالتَّذْكِيْرِ بِأَيَّامِ اللّٰهِ عَلَى سَبِيْلِ الْاِسْتِطْرَادِ بِكَلَامٍ إِجْمَالِيٍّ يُسَامَحُ فِي مِثْلِهِ بِإِيْرَادِ الْاِسْتِعَارَاتِ وَالْمَجَازَاتِ وَلِهٰذَا الْأَصْلِ لَمَّا سَأَلُوا النَّبِيَّ عَنْ لِمِيَّةِ نُقْصَانِ الْقَمَرِ وَزِيَادَتِهِ أَعْرَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ إِلَى بَيَانِ فَوَائِدِ الشُّهُوْرِ فَقَالَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَسَدَ ذَوْقُهُمْ بِسَبَبِ الْأُنْسِ بِهٰذِهِ الْفُنُوْنِ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الْأَسْبَابِ فَحَمَلُوْا كَلَامَ الرُّسُلِ عَلٰى غَيْرِ مَحْمَلِهٖ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ٨٨)

حیوانات کے عجائبات - چاند سورج کی رفتار کی مقدار حوادث یومیہ کے اسباب - انبیا - سلاطین - اور ممالک کے قصے وغیرہ وغیرہ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے مگر ہان کچھ چند معمولی باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہو چکے ہین اور انکی عقلون نے ان باتون کو قبول کر لیا ہے ان باتون کو بھی وہ لوگ خدا کی نشانیون اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین، اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اسکے جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینون کا فائدہ بیان کر دیا یعنی فرمایا یسئلونک عن الاہلۃ الخ اور اکثر لوگون کا مذاق ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے اشتغال کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف حقیقت معنی پر محمول کرتے ہین۔

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیا کا عمل رہا ہے یہ ہے کہ وہ جس قوم مین مبعوث ہوتے ہین اس کے اکل و شرب، لباس، مکان، سامان آرائش۔ طریقہ نکاح زوجین کے عادات بیع و شرا، معاصی پر دار و گیر، فصل قضایا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہین اگرچہ یہ چیزین ویسی ہی ہین جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدل و تغیر نہین کرتے بلکہ ترغیب دلاتے ہین کہ یہ رسوم و آئین صحیح اور واجب العمل اور مبنی علی المصالح ہین، البتہ اگر ان مین کچھ نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہون۔ یا لذات دنیوی مین انہماک کا باعث ہون یا اصول احسان کے مخالف ہون۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کر دینے والی

ہون تو اُن کو بدل دیتے ہین وہ بھی اس طرح نہین کہ سرے سے انقلاب کردین، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہین جن کے مشابہ کوئی چیز قوم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگون کے حالات مین اُس کی مثالین پائی جاتی ہین۔ جن کو قوم، اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے“

شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل[1] سے بیان کر کے لکھتے ہین،

وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى اِخْتَلَفَ شَرَائِعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالرَّاسِخُ فِي الْعِلْمِ يَعْلَمُ اَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَجِئْ فِي النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمُعَامِلَاتِ وَالزِّيْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَضَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَالْغَنِيْمَةِ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ يَتَرَدَّدُوْنَ فِيْهِ اِذَا كُلِّفُوْا نَعَمْ اِنَّمَا وَقَعَ اِقَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِيْحُ السَّقِيْمِ

اور اسی وجہ سے انبیا کی شریعتین مختلف ہین۔ اور جو لوگ علم مین پختہ کار ہین وہ جانتے ہین کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرائش۔ لباس۔ قضا۔ تعزیرات غنیمت مین کوئی ایسی بات نہین پیش کی جس کو وہ لوگ سرے سے نہ جانتے ہون یا ایسی جس کے قبول کرنے مین انکو پس وپیش ہو، ہان یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی اسیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی۔

(۵) **انبیا** پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اُس کے دو حصے ہوتے ہین ایک وہ عقائد وسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہین، اس حصہ مین تمام شریعتین متحد ہوتی ہین۔ مثلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب۔ عقاب۔ عبادات۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ نکاح۔ وراثت وغیرہ وغیرہ پانچوان اُصول
دوسرے وہ احکام اور سنن، جو خاص خاص انبیا کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً، شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قومون یا ملکون کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اُس کی نبیاد زیادہ تر ان خیالات، عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اُس قوم مین موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین۔

فَكَذٰلِكَ يُعْتَبَرُ فِي الشَّرَائِعِ عُلُوْمُهُمْ مَخْزُوْنَةً اسی طرح شریعت مین اُن علوم اور اعتقادات وعادات کا

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰-

فِي الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتٌ كَامِنَةٌ فِيهِمْ وَعَادَاتٌ تَجَارِي فِيهِمْ وَلِذَالِكَ نَزَلَ تَحْرِيْمُ لُحُومِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ دُوْنَ بَنِي إِسْمٰعِيلَ وَلِذَالِكَ كَانَ الطَّيِّبُ وَالْخَبِيْثُ فِي الْمَطَاعِمِ مُفَوَّضًا إِلَى عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلِذَالِكَ حُرِّمَتْ بَنَاتُ الْأُخْتِ عَلَيْنَا دُوْنَ الْيَهُوْدِ[1]

لحاظ کیا جاتا ہے جو، قوم مین مخزون اور جاری و ساری ہوتے ہین یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا اور بنی اسمعیل پر حرام نہوا، اور یہی وجہ ہے کہ کھانون مین پاک، اور نجس کی تفریق، عرب کے مذاق پر محول کی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب مین حرام ہے، اور یہود کے یہاں نہیں۔

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تفریعات بیان کی ہیں ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔

اسی بحث مین آگے چل کر لکھتے ہین۔

وَاعْلَمْ أَنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُوْمِ الْكَامِنَةِ يَتَّفِقُ فِيهَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ وَجَمِيْعُ سُكَّانِ الْأَقَالِيْمِ الْمُعْتَدِلَةِ وَأَهْلِ الْأَمْزِجَةِ الْقَابِلَةِ لِلْأَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ كَالْحُزْنِ لِمَيِّتِهِمْ وَاسْتِحْبَابِ الرِّفْقِ بِهِ وَكَالْفَخْرِ بِالْأَحْسَابِ وَالْأَنْسَابِ فَتِلْكَ الْعَادَاتُ وَالْعُلُوْمُ أَحَقُّ الْأَشْيَاءِ بِالْاِعْتِبَارِ ثُمَّ بَعْدَهَا عَادَاتٌ وَعَقَائِدُ تَخْتَصُّ بِالْمَبْعُوْثِ عَلَيْهِمْ فَتُعْتَبَرُ تِلْكَ أَيْضًا

جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہین جن مین تمام عرب و عجم اور تمام معتدل ممالک کے رہنے والے اور تمام وہ لوگ جن مین اخلاق فاضلہ کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے سب متفق ہوے ہین مثلاً مردہ کا غم کرنا اور اُن پر رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب و نسب پر فخر کرنا۔ تو یہ مراسم اور یہ اصول سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہین۔ ان کے بعد وہ مراسم ہین جو خاص اسی قوم مین جاری ہین جن پر وہ پیغمبر مبعوث ہوا ہے تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

(۶) کسی چیز سے روکنے، یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُس چیز کے فوائد و نقصان بیان کیے جائین اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہین ہے بلکہ امر و نہی کا اصلی سبب اس کا مفید یا مضر ہونا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲

موجب ثواب یا عقاب ہے جیسا کہ بعض دعاؤن کی نسبت لوگون کا خیال ہے کہ اگر اُس کے الفاظ، ادل بدل ہوجائین تو دعاءین وہ تاثیر نہ رہے گی۔

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہے لیکن یہ طریقہ عام نہین ہوسکتا اگر امر و نہی کا مدار اسپر رکھا جائے تو ایک ایک عامی کو اوامر و نواہی کے دقائق اور باریکیان سمجھانی پڑین گی اور یہ بالکل ناممکن ہے اس کے علاوہ کسی کام کے کرنے کے لیے عام طبائع پر جسقدر اس بات کا اثر پڑتا ہے کہ خدا نے اس کام کا حکم دیا ہے اور خدا اسکی تعمیل سے خوش ہوتا ہے، اسقدر اس بات کا اثر نہین پڑسکتا کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہے فرض کرو اگر تعزیرات ہند کے بجاے، اخلاقی کتابین جاری کی جائین جن مین یہ لکھا ہو کہ چوری ڈکیتی۔ رہزنی۔ بُری باتین ہین اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابین جرائم کے گھٹانے مین وہ کام دین گی جو تعزیرات ہند دے رہی ہے؟ اس بنا پر انبیاء افعال کی ترغیب و ترہیب کے لیے زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین یعنی بجاے اسکے کہ اوامر اور نواہی کے وجوہ اور اسباب بتائیں۔ وہ ان افعال کو بالذات موجب ثواب و عقاب بتاتے ہین اور ثواب و عقاب کو صرف خدا کی خوشنودی اور ناراضی پر محوّل کرتے ہیں۔ وہ نماز۔ روزہ زکوٰۃ کے حکم دینے مین عام لوگون سے یہ نہین کہتے کہ ان ارکان کے ادا کرنے مین یہ یہ فائدے ہین بلکہ صرف یہ کہتے ہین کہ ان چیزون سے خدا خوش ہوتا ہے اور اُن کے نہ ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور در اصل۔ عوام کو کسی چیز کی طرف راغب کرنے کا صرف یہی موثر طریقہ ہے[1]

[1] یہ اصول۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو انھون نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹ مین لکھی ہے لیکن شاہ صاحب اس اصول کو فلاسفۂ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین وذھب فلاسفة الاسلام الی ان العذاب والثواب انما یکونان علی الصفات النفسانیة والاخلاق المتشبحة بذیل الروح وانما ذکر قوالبها واشباحها فی الشرائع تفهیما وتقریبا للمعانی الدقیقة الی اذهان الناس شاہ صاحب کی ذاتی راے یہ ہے کہ جب کوئی شے، شریعت مین مامور بہ اور منہی عنہ ہوتی ہے تو بالذات اسپر ثواب و عقاب مرتب ہوجاتا ہے

مذکورہ بالا اُصول، تمام انبیا مین مشترک ہوتے ہین لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین مین بعض زائد خصوصیات ہوتی ہین جو اور انبیا مین نہین پائی جاتین،

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر جس قوم مین مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت مین اُس قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہو، اُس کے طریقۂ تعلیم مین یہ اُصول چل نہین سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دُنیا کی قومون کے لیے الگ الگ شریعتین بنا سکتا ہے نہ تمام قومون کی عادات اور خصوصیتین باہم متفق ہو سکتی ہین۔ اس لیے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰) لیکن تعجب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے آگے چل کر جہان اسپر بحث کی ہے کہ جو شریعت تمام شریعتون کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہین، وہان اس اصول کو خود، شریعت ناسخہ کے اصول مین شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین

ومنها ان یکلف الناس باشباح البر والاثم ویلزمهم ذلك التزاما عظیما ولا یلوح لهم بارواحها کثیر تلویح ولا یخیرهم فی شیٔ من الشرائع ویجعل علم الشرائع الذی ماخذ الاحکام التفصیلیة علما مکنونا وذلك لان اکثر المکلفین لا یعرفون المصالح ولا یستطیعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسة یتعاطاها کل متعاط فلو رخص لهم فی ترك شیٔ منها او بین ان المقصود الاصلی غیر تلك الاشباح توسع لهم مذاهب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا

اور ان اصول مین سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر لوگون کو نیکی و بدی کی جزئی صورتون کا مکلف کرے، اور انکو سخت تاکید کرے، اور اُن اعمال کی روحانیت کا ان پر بہت کم اظہار کرے۔ اور اُن کو احکام شریعت مین سے کسی حکم کی نسبت اُن کو کرنے نہ کرنے کا مختار نہ بنائے۔ اور اسرار شریعت کے علم کو جو احکام تفصیلی کا ماخذ ہے ایک راز مخفی قرار دے۔ اور یہ اس لیے کہ اکثر لوگ مصالح سے واقف نہین اور اسکو سمجھ نہین سکتے جب تک کہ ایسے قاعدے نہ بنائے جائین جو محسوس صورت مین آجائین اور جسکو ہر شخص سمجھ لے اسلیے اگر انکو کسی شے کے چھوڑنے کی اجازت دیجاے۔ یا اُنسے کہا جائے کہ اعمال مقصود اصلی نہین ہین۔ تو انکو بڑی وسعت ہو جائیگی اور انمین سخت اختلاف پیدا ہو جائیگا

محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت مین اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلّیہ اور اصول عام ہوتے ہین جو قریبًا تمام دُنیا کی قومون مین مشترک ہوتے ہین تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہین اُن کی پابندی مقصود بالذات نہین ہوتی اور نہ اُن پر چندان زور دیا جاتا ہے۔

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین (صفحہ ۱۲۳) مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین۔

وهذا الامام الذی یجمع الامم علی ملة واحدة
یحتاج الی اصول اخری غیر الاصول المذکورة
فیما سبق منها ان یدعو قوما الی السنة الراشدة
ویزکیهم ویصلح شانهم ثم یتخذهم
بمنزلة جوارحه۔
وذلك لان هذا الامام نفسه لا یتاتی منه
مجاهدة امم غیر محصورة واذا کان کذلك
وجب ان یکون مادة شریعته ما هو بمنزلة
المذهب الطبیعی لاهل الاقالیم الصالحة عربهم
وعجمهم ثم ما عند قومه من العلم والارتفاقات
ویراعی فیه حالهم اکثر من غیرهم ثم یحمل
الناس جمیعا علی اتباع تلك الشریعة لانه
لا سبیل ان یفوض الامر الی کل قوم

یہ امام جو تمام قومون کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورۂ بالا کے علاوہ ہین حاجت پڑتی ہے انہین سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہ راست پر بُلاتا ہے اسکی اصلاح کرتا ہے، اسکو پاک بنا دیتا ہے پھر اس کو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے۔

یہ اسلیے کہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قومون کی اصلاح مین جان کھپائے اس لیے ضرور ہوا کہ اسکی شریعت کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب وعجم کا فطری مذہب ہو، اسکے ساتھ خاص اس کی قوم کے عادات اور مسلمات کے اصول بھی لیے جائین اور ان کے حالات کا لحاظ بہ نسبت اور قومون کے زیادہ تر کیا جائے، پھر تمام لوگون کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دی جائے کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشواے قوم کو اجازت دیدی

أَوْ إِلَى أَئِمَّةِ كُلِّ عَصْرٍ إِذْ لَا يَحْصُلُ مِنْهُ فَائِدَةُ
التَّشْرِيعِ أَصْلًا وَلَا إِلَى أَنْ يَنْظُرَ مَا عِنْدَ كُلِّ قَوْمٍ
وَيُمَارِسَ كُلًّا مِنْهُمْ فَيَجْعَلَ لِكُلِّ شَرِيعَةً۔
فَلَا أَحْسَنَ وَلَا أَيْسَرَ مِنْ أَنْ يُعْتَبَرَ فِي الشَّعَائِرِ
وَالْحُدُودِ وَالْإِرْتِفَاقَاتِ عَادَةُ
قَوْمِهِ الْمَبْعُوثُ فِيهِمْ وَلَا يُضَيَّقُ كُلَّ التَّضْيِيقِ
عَلَى الْآخَرِينَ الَّذِينَ يَأْتُونَ بَعْدُ

جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالیں ورنہ تشریع محض بیفائدہ ہوگی، نہ یہ ہوسکتا کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت بنائی جائے اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ شعائر، تعزیرات، اور انتظامات میں خاص اس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جائے جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے، اسکے ساتھ آنیوالی نسلوں پر اُن احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کیجائے

اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعتِ اسلامی میں چوری۔ زنا۔ قتل، وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں اُن میں کہاں تک عرب کی رسم ورواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ اُن سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔

خرق عادات

بیانات مذکورۂ بالا سے اگرچہ ثابت ہوچکا۔ کہ نبوت، خرق عادت پر موقوف نہیں اور اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسلام میں بھی کچھ نہ کچھ اُس کی جھلک موجود ہے اس لیے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا بے شبہ اشاعرہ کی افراط، بچوں کے وہم پرستی کے درجہ تک پہنچ گئی ہے، لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہیں ہے، ہمارے زمانہ کے لوگوں نے جو تاویلیں کی ہیں، ہم اس سے

بخوبی واقف ہین، بے شبہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگون کے لیے کافی ہین جو بیچارے عربی زبان اور اُس کے طرز و اسلوب سے ناآشنا ہین، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلمیع کیا کام دیسکتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ، چونکہ وہم پرست مسلمانون کا طرف مقابل ہے اس لیے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہوجائے، ایک طرف جب یہ افراط ہے کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات، ہرکس وناکس سے سرزد ہوسکتے ہین، اور کرامۃ الاولیاء حق کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہین قرار پائی - تو اس کے مقابلہ مین یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہین کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع مین نہین آسکتا لیکن ہم کو، افراط و تفریط سے الگ ہوکر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیے -

خرق عادت کے منکرین کا استدلال اور اس پر بحث

خرق عادت کے منکرین، کا تمام تر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ ممتنع ہے اس دلیل کے دوسرے مقدمے سے کسی شخص کو انکار نہین ہوسکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہے، کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہوچکے ہین؟ کیا اس پر اطمینان ہوچکا ہے کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہین وہ درحقیقت قانون فطرت ہین؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑون ایسے قانون فطرت دریافت کیے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے - اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے، سیکڑون ہزارون برس سے فقرا اور جوگیون کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کرسکتے ہین، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کررہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادّہ بغیر اس کے کہ دوسرا مادّہ اس سے ملاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کرسکے، لیکن جب مسمریزم کے تجربون نے قوّت نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے، آج ایک مسمریزم کا مشاق علی رؤس الاشہاد دوسرے اشخاص کو محض قوّت نظر یا قوّت نفس سے بیہوش کرسکتا ہے، اس سے جو بات چاہے کہلوا سکتا ہے - جو کام چاہے کرا سکتا ہے -

قدیم عربی کتابون مین مذکور ہے کہ مصر مین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہان تک اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہوکر گر جائے، یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل قرار دیا گیا۔ لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اس مین الکٹرسٹی ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہین کہ جس قدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے ناممکن چیزین ممکن ثابت ہوتی جاتی ہین۔

خرق عادت کے متعلق یورپ کے علا کی راے

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان جو فزیکل سائنس کا اُستاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب اسپیریچولزم مین لکھتا ہے "انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہین جانتا اور سمجھ نہین سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے، ہیروڈوٹس یا پلینی[1] کی تحریرون مین اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران مین چھاتی تھی اور اس سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن پیرس کے علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ء مین یہ واقعہ براے العین مشاہدہ کیا گیا"

"اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اس کی تشریح کی گئی تو اس کے پیٹ مین ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توام تھا اور اس کے جسم مین پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے، لیکن چند روز ہوے ہم نے خود اپنی آنکھون سے دیکھا کہ ایک بچہ چھبیس برس تک بدن ہی مین پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا، ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگون کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا، خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکشنریون مین تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہین"

"اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہین کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ

---

[1] یونان کا مشہور مورخ ہے۔

بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں۔[۱]

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادت کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آرا اس موقع پر نقل کریں۔

دنیا میں خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادہ پرست ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہے یورپ کا یہی حال ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے روح اور روح کے اثروں کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگوں نے بہت سے تجربوں کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ روح جسم سے جداگانہ ایک چیز ہے اور اُس کے قُویٰ اور ادراکات بالکل الگ ہیں، روح سیکڑوں کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سُن سکتی ہے، روح واقعات آیندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کوسوں تک اپنا اثر پہنچا سکتی ہے، غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہو سکتے ہیں جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔ اسپریچولزم

اس فرقہ نے اپنے دعوے کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگوں کو اس کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ۱۸۶۹ء میں بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کے لیے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے۔

سر جان لیبک ممبر پارلیمنٹ صدر انجمن

پروفیسر ہکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ وکیل

لوئیس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔

الفرڈ ویلز۔ جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلۂ ارتقا میں برابر کا شریک تھا۔ ممبر

[۱] کامل فلامریان کی کتاب صفحہ ۲۴۶۔

ہارگن۔ مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن ممبر

جان کوکس

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر مین مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی اُس کے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربون پر رکھا جو مجلس نے برای اُنہین مشاہدہ کیئے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہین ہو سکتا تھا، مجلس مین چار خمس ایسے ممبر تھے جو شروع مین اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات مین فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کی عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربون کے بعد اُن کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہین"

اس کے بعد انگلستان اور امریکا مین اس کی تحقیقات کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے، یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات مین مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء مین اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا ہیزلوب نے جو رائے لکھی اس کے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجکو امید ہے کہ مین برس دن کے بعد، تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کردون گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ مین نے خود اپنی آنکھون سے وہ خرق عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہین ہو سکتا"

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہین۔

"دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعین، حاصل ہونے والی ہین، مجکو اُمید ہے کہ دو ہی ایک برس مین مین دنیا کے لیے، انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کرون گا۔ اگر پروفیسر ہیزلوب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُس نے مردون کی روحون سے باتین کین تو اُس نے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے"

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اُس نے یہ الفاظ کہے ،، مین نے اور پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونون دہریہ تھے، اور کسی شے پر یقین نہین رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مُدّعیان روحانیت جو شعبدہ بازیان کرتے ہین۔ ان کی پردہ دری کردی جائے۔ لیکن آج مین اس بات کا قائل ہون کہ مردون سے بات چیت ہوسکتی ہے اور اُس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہوچکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہین رہی "

پروفیسر کوکس۔ جو امپیریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُس نے مجمع عام مین کہا کہ ،، مین صرف یہی نہین کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہون کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے "

پروفیسر کوکس نے خاص اسپریچولیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے اس مین وہ لکھتا ہے کہ ،، چونکہ مجکو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے، اس لیے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤن کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائین گے "

مادیین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج سکستون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیون کا پتہ لگائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس تگ ودو مین رہا، بالآخر اُس نے یہ الفاظ کہے۔

،، مین نے خاص اپنے گھر مین جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگون سے بات چیت ہوئی وہ مرے ہوے ہمارے عزیز واقارب تھے "

بارکس نے جو مشہور جیالوجسٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ مین لکھا کہ ،، مین نے تمام وہ کتابین جو روح کی رد مین لکھی گئی تھین پڑھین اور ان تمام لوگون سے مناظرے کیے لیکن مین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھون سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا یہان تک

کہ اب مین ان مشاہدات پر، بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہون۔

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُس نے یہ شہادت دی کہ مین نے خود اپنی آنکھون سے جو دیکھا اور اپنے کانون سے جو سُنا اُسنے مجکو ایسا مطمئن کر دیا ہے کہ شک کا احتمال بھی نہین رہا۔"

سب سے بڑی شہادت اس باب مین رسل ویلز کی ہے، یہ مشہور فاضل ڈارون کا شریک اور ہم پلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد مین یہ برابر کا شریک تھا اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائبات روح ہے اس مین وہ لکھتا ہے کہ "مین محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع تھا، مجکو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ مین روح کا معترف ہو سکون گا، یا اس بات کا قائل ہو سکون گا کہ اس عالم مین مادہ کے سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے۔"

"لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجکو مجبور کر دیا کہ مین ان چیزون کو حقیقی اور واقعی تسلیم کرون، اگرچہ ابھی تک مین یہ تسلیم نہین کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہین، لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال و حجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے در پے تواتر کا اثر تھا، جس کا یہ نتیجہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مفر نہ تھا۔

پروفیسر ایسٹ جو امریکا کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اس نے ایک میگزین مین لکھا کہ "چند روز پہلے مجکو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجکو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب مین دیکھتا ہون کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیانتی سے چھپاتا ہون تو مین اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہون، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھ کر اب مین چپ نہین رہ سکتا ورنہ مین اخلاقی بزدلی کا مرتکب ہون گا۔

جرمن کا مشہور ہیئت دان زولنر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ

اور چند مشہور فضلا شریک ہوے جن مین سے بعض کے یہ نام ہین۔

دیبر

فیشنر۔ فزیکل سائنس کا اُستاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر۔

وِنڈٹ۔ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلون نے روح کے عجیب و غریب کرشمونکا اعتراف کیا زولنر بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے اعتراف پر لوگون کو خیال ہوا کہ شاید اُسنے دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسرون نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اس پر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علمیہ ہے، اس مین اس نے نہایت زور شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور اُن کے صحت پر دلائل قائم کیے۔

۱۸۹۱ء مین جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اس کے ایک جلسہ مین پروفیسر لوج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادّی اور روحانی عالم مین ابتک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جس طرح اور بہت سی حدین ٹوٹ گئین۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہین، اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہین وہ بمقابلہ ان چیزون کے جو ہم کو معلوم نہین ہین کچھ بھی نسبت نہین رکھتین

۲۲ جون ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں پروفیسر درو تاش نے اپنی اسپیچ مین کہا کہ "خرق عادات جو اُس وقت ہم نے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے ان لوگون کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہین اور جزئی مباحث علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہین اُن ہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ مین داخل ہین جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ مین آرہے ہین اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے"

۱۸۹۲ء مین بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے

الگزنڈر گزاکوف۔
جیوفانی۔ میلان کے رصدخانہ کا سکرٹری۔
کارل دوپرل۔ جرمن کا مشہور ڈاکٹر
جیوزوب جیروزا۔ فزیکل سائنس کا پروفیسر
پروفیسر شارل ریشیہ۔ فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر
لمبروزو

ان علما نے ۱۰ اجلاس مین ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی رپورٹ مین لکھا کہ جو خوارق عادات ہم نے مشاہدہ کیے ان مین کسی قسم کی شعبدہ بازی یا چالاکی نہین تھی، اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہین کہ مسائل علمیہ مین داخل کیے جائین"

اس قسم کی سیکڑون شہادتین ہین جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوگی اس لیے ہم دائرۃ المعارف کے فقرۂ ذیل پر اکتفا کرتے ہین۔

وَكَثِيرُونَ مِنْ أَهْلِ أَمْرِيكَا وَأُورُبَا الْمُمْتَازِينَ بِالْعُلُومِ وَالْفَلْسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ يَعْتَقِدُونَ وُجُودَ قُوَّةٍ لَمْ يَكْشِفْهَا الْعِلْمُ تَقُومُ بِتِلْكَ الْأَعْمَالِ وَإِنْ مَا رَأَوْهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا يُنْسَبُ إِلَى الْخِدَاعِ أَوِ الشَّعْوَذَةِ وَقَالُوا إِنْ لَمْ تَكُنْ حَقِيقَةً فَهِيَ جَدِيرَةٌ بِالْبَحْثِ وَالتَّأَمُّلِ۔

امریکا اور یورپ کے بہت سے علما جو علوم فلسفہ حکمت اور سیاست مین ممتاز ہین، اس بات کے معتقد ہین کہ ایک ایسی قوت موجود ہے جس کو علم نے ابتک دریافت نہین کیا تھا۔ وہ قوت ان اعمال کو انجام دیسکتی ہے۔ ان لوگون کا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگون نے کیے وہ فریب یا شعبدہ نہین قرار دیے جاسکتے، اور اگر وہ حقیقی نہین ہین تو کم از کم ان پر غور اور تامل کرنا ضروری ہے۔

جو خوارق عادات، ان تجربیات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزار درجہ سے متجاوز ہین لیکن ان کی بنا پر جو کلیات قائم ہوتے ہین اُن کو کامل فلامریان نے سب ذیل شمار کیا ہے۔

(۱) روح جسم سے جداگانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے۔

(۲) روح مین اس قسم کی خاصیتین ہین جو اب تک علوم موجودہ کی رو سے غیر معلوم تھین۔

(۳) روح۔ حواس کے وساطت کے بغیر متاثر ہوسکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔

(۴) روح آیندہ واقعات سے واقف ہوسکتی ہے۔

ان شہادتون کو ہم روح کے ثبوت مین پیش نہین کرتے بلکہ، ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہین، کہ انسان مین ایک قوت ہے جس کو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے ایسے عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہین جن کو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور اعتراف کرتے ہین کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر ہین اس بنا پر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہین ہوسکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ دہم پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزون کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ بلا کسی سبب اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہین، اور خواص کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب مین ہر چیز وابستۂ علت ہے اس لیے ان خرق عادات کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

اسلام مین جو حکما اور عرفا گذرے ہین مثلاً امام غزالی۔ ابن رشد۔ شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہین۔ امام غزالی نے تمام معجزات کی تین قسمین قرار دی ہین، حسی۔ خیالی۔ عقلی۔ پہلی قسم تو اشاعرہ کے استمالت کے لیے قائم کی ہے۔ باقی دو قسمین جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہین وہ بالکل آج کل کی تحقیقات کے موافق ہین، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری مین جو چھپ کر شائع ہوچکی ہے امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے۔

خرق عادت کی نسبت بوعلی سینا کی رائے

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا، لیکن جو صوفیہ اُس کے زمانہ مین موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اُس کے مشاہدہ مین آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ اُن کے اسباب وعلل پر غور کرنا پڑا۔ اشارات مین خود اُس کے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، وہ خرق عادات کے بیان مین لکھتا ہے

وَلٰكِنَّهَا تَجَارِبُ لَمَّا ثَبَتَ طَلَبَ اَسْبَابَهَا ثُمَّ اِنِّي لَوْ اَقْتَصَصْتُ جُزْئِيَّاتِ هٰذَا الْبَابِ فِيمَا شَهِدْنَاهُ وَفِيمَا حَكَى عَمَّنْ صَدَقْنَاهُ لَطَالَ الْكَلَام

لیکن یہ تجربے ہین اور جب وہ ثابت ہوے تو اُنکے اسباب کی تجسس ہوئی اور اگر مین اس قسم کے جزئیات کا شمار کرون جو مین نے خود دیکھے یا ان لوگون نے دیکھے جن کو مین ثقہ سمجھتا ہون تو بات طول ہو جائیگی

بوعلی سینا نے، مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کیے ہین، ان مین سے اسی نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بیان کے موافق حسب ذیل ہے۔

"یہ امر بداہۃً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل مین ناگوار خیالات آتے ہین، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ پسینہ آجاتا ہے، اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعویٰ صحیح نہین کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہین بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔

جس طرح ان کیفیات سے، انسان خود متاثر ہوتا ہے، بعض انسانون مین یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین، یہ قوت انسانون مین علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانون مین اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین"

"یہ قوت جس شخص میں فطری اور جبلی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃ مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ میں استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃ بدطینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے"

امام غزالی نے معارج القدس میں جہاں انبیا کے مختصات لکھے ہیں، لکھتے ہیں۔

وَلَا يُنكَرُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْقُوَى النفسانية	اور کچھ بعید نہیں کہ بعض لوگوں کے قوائے نفسانی
مَا هُوَ اَقْوٰى فِعْلًا وَتَاثِيْرًا مِّنْ اَنْفُسِنَا حَتّٰى	ایسے ہوں جن کی قوت اور تاثیر ۔ہمارے نفوس سے
لَا يَقْتَصِرَ فِعْلُهَا فِى الْمَادَّةِ الَّتِىْ رُسِمَ	زیادہ ہو۔ یہاں تک کہ ان کا اثر اپنے ہی جسم پر محدود
لَهَا وَهُوَ بَدَنُهَا بَلْ اِذَا شَاءَتْ اَحْدَثَتْ	نہ ہو بلکہ جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہیں،
فِىْ مَادَّةِ الْعَالَمِ مَا يَتَصَوَّرُهُ فِىْ نَفْسِهَا	مادۂ عالم پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکیں۔

بوعلی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے بالکل مطابق ہے، اسپریچولیزم والے تو صاف اعتراف کرتے ہیں کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہیں، جو لوگ روح کے قائل نہیں ہیں ان کو بھی مشاہدات اور تجربوں کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان میں کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں جو جسم اور مادہ سے سرزد نہیں ہو سکتے، چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علمائے علوم جدیدہ کی شہادتیں اوپر گذر چکیں۔

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہیں کہ محض اس کی بنا پر کسی مذہب کو غلط کہدیا جائے البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہیں، اس لیے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک اس کے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم اسپر اعتبار نہ کریں۔ قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لیے اس میں جہاں خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے

الفاظ، اس کے ثبوت مین قطعی الدلالت ہین یا نہین؛
مفسرین مین جو محقق گذرے ہین مثلاً قفال - ابو مسلم اصفہانی - ابوبکر اصم وغیرہ ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید مین، بہت کم خرق عادات مذکور ہین اور جو واقعی مذکور ہین ان کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

اخیر مین یہ جتا دینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانون نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ مین آجاتے ہین، اور حاشا ہم اُن کے امکان کا دعوے نہین کرتے۔ مُدت کے ڈوبے ہوے آدمیون کو، دریا مین ایک کنکری پھینک کر زندہ کر دینا خرق عادت نہین بلکہ محال ہے۔ اور خرق عادت کے جواز سے ہمارا یہ مقصد نہین کہ اس قسم کی دور از کار روایتون کو صحیح تسلیم کیا جائے۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت

بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرت کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہ جاتا ہے نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجزاے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو، دوسرون کو کامل کر سکتا ہو، اُس کے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہون، بلکہ منجانب اللہ ہون۔ یہ تمام باتین جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک مین موجود تھین کیا ابتداے آفرینش سے آج تک اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جس نے آنکھ کھول کر اپنے گرد و پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو۔ جس کے کانون مین ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جس نے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصول معاشرت، قانون تمدّن کے

متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سُنا ہو۔ دفعۃً منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفۂ اخلاق تزکیۂ روح۔ الٰہیات۔ معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم کسی فلسفی کسی مقنن کسی پیغمبر نے کبھی نہیں بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم میں جو اس وقت جہالت و وحشت۔ جور و ظلم فسق و فجور۔ سفاکی و خونریزی میں ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی روح پھونک دے کہ دفعۃً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غور کرو آنحضرت کی بعثت کے وقت تمام دُنیا کی کیا حالت تھی۔ ہندو اور مصری سیکڑوں خدا یا اوتار مانتے تھے یہودی تثلیث کے قائل تھے صابئین ستارہ پرست تھے مجوسی یزداں اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے یہودی توحید کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھ کر تھا بہت سی باتوں میں برابر یا گھٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جس کے نہایت کثرت سے لڑکیاں (یعنی ملائکہ) تھیں بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے وہ اُن ہی واقعات روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد و پیش پھیلے ہوئے ہیں اُن ہی سے وہ ادل بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس فطرت کے رو سے آنحضرت کے دل میں خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں کا تھا، لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے جس کی ذات اور صفات میں کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہیں، جو نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں نہ اوپر نہ نیچے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ زمان میں نہ مکان میں اور پھر ہر جگہ ہے جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے۔ چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ کو سُن لیتا ہے، ہمارے

دل کے چھپے ہوئے بھیدون کو جانتا ہے - ایسا منزہ - ایسا کامل - ایسا بالا تر خدا، انسان خود اپنے خیال سے نہین پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کرا سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے -

عیسائیون نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے توراۃ و انجیل سے واقف تھے اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید از محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ و انجیل اور عیسائی معلم اُسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو اُن کا خدا تھا۔ فرانس کا مشہور فاضل کونٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام مین لکھتا ہے

"اُن روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون، یہودیون اور ستارہ پرستون کے عقائد یا تعلیم حاصل کیے تھے، فائدہ سے خالی نہین کیونکہ اس سے اُن مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہان قرآن اور توراۃ کی آیتین ہم مضمون ہین لیکن پھر بھی یہ دوسرے درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی کہ محمد مین یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیون پیدا ہوا جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا"[۱]

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے "یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد توراۃ و انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمد نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینکدیا ہوتا کیونکہ وہ اُن کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھین - اس قسم کے اعتقاد کا محمد کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامور تھے"[۲]

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہین کہ عقائد - عبادات - اخلاق معاشرت

عیسائیون کا یہ دعوے کہ آنحضرت نے توریت اور انجیل کی تعلیم پائی تھی

[۱] یہ کتاب فرنچ زبان مین تھی مصر کے ایک عالم نے عربی زبان مین اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء مین چھاپکر شائع کیا۔ [۲] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعہ صفحہ

کے متعلق، آنحضرت نے جو اصول اور مسائل، وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلے درجہ کے ہین کہ کسی حکیم اور مقنن کے خیال مین نہین آتے اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال مین آ ہی نہین سکتے تھے۔

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر و اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہئین یا دوسرون کی تقلید اور پیروی سے۔ اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب تھے سب مین، ائمہ دین کے سوا باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیون مین پوپ، یہودیون مین احبار، پارسیون مین دستور، ہندؤن مین پنڈتون اور رشیون کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق کچھ کہہ سکتا تھا۔ نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتا تھا،

اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا — عیسائیوں اور یہودیوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے احبار
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبۃ - آیت ۳۱) — اور رہبانون کو خدا بنا لیا ہے۔

عقائد مین تقلید کرنا شرک ہے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ، احبار اور رہبان کو خدا کہان کہتے ہین!! آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بطریق (یا پادری) جس چیز کو حلال کر دیتا ہے، حلال ہو جاتی ہے اور جس چیز کو حرام کر دیتا ہے حرام ہو جاتی ہے"

اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ — تو کہدے کہ اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا — تمہارے دونون کے ہان مسلم ہے وہ یہ (کہ) خدا کے سوا اور
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا — کسیکو نہ پوجین اور اسکے ساتھ کسی کو شریک کرین اور ہم
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران - آیت ۲۷) — سے ایک ایک کو اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ مین گو نہایت اختلاف

مراتب تھا، لیکن عقائد مین کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی عقائد مین بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہین کرتا تھا، بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا اسی کا اثر ہے کہ گو زمانہ مابعد مین جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ آج تک مسلم رہا کہ لَا یَجُوزُ التَّقلِیدُ فِی العَقَائِدِ یعنی عقائد مین تقلید جائز نہین -

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد لوتھر کے خیال مین آئی اور جس کی بناپر اس نے دنیا کو پوپ کی غلامی سے آزادی دلائی - یورپ مین ہر قسم کی مذہبی آزادی کی بنیاد در حقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے -

تفصیل عقائد

ذات وصفات باری

عقائد مین اہم المسائل اور اصل مسائل خدا کے وجود اور اس کی ذات وصفات کا مسئلہ ہے خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق تمام اہل مذاہب بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب وغریب غلطیون مین مبتلا تھا عیسائی تین خدا مانتے تھے اور تین کو ایک اور ایک کو تین کہتے تھے اور اس اجتماع نقیضین کو خود ان کی سمجھ مین بھی نہین آتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ مین آنا ضرور نہین، مصری کئی کروڑ خدا تسلیم کرتے تھے پارسیون کی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ نیکی وبدی دونون کا ایک خدا کیونکر ہو سکتا ہے اس بنا پر انھون نے نیکی وبدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندؤن کے ہان کم سے کم تین خدا تھے برہما - بشن - مہیش - اور اوتار تو سیکڑون بلکہ ہزارون یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اس کے اوصاف ایسے قرار دیے تھے کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھکر نہ تھا،

یہ تو ان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت مین مانتے تھے، اس گروہ کی بھی کمی نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے - یہ مختلف نامون سے موسوم تھے،

زندیق دہریہ - مادّیین وغیرہ وغیرہ -

دُنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکر ان تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان جہت و اشارہ، تحت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مبرا و منزہ ہے وہ تقدیس و تنزیہ تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گبن نے کہا کہ "جب زمان و مکان و جہت و اشارہ، تمام خصوصیتوں کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے" بے شبہ اسلام کو ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل مُعرّا ہو

توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام سے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر دلون مین نہ آسکے - ہندو - مصری - بابلی - روس کیتھولک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور اسی وجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجود سیکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی فرقہ کو آج تک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا، آج دُنیا مین ہندو عیسائی - پارسی وغیرہ وغیرہ جس قدر روشن ضمیر اور بلند خیال ہوتے جاتے ہین، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہین علم و فن اور خیالات کی وسعت جسقدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال گھٹتا جاتا ہے

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقون نے درمیانی واسطے قائم کیے تھے اور اوتارون دیوتاؤن، پیرون کا سہارا ڈھونڈھتے تھے (اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہین، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے - اور اپنی ہر قسم کی حاجتین اور مرادین پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سعی و سفارش، توسط اور شفاعت سے بے نیاز ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے ہر شخص کی آواز سُنتا ہے، ہر شخص اس تک پہنچ سکتا ہے -

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہیں

توحید کے بعد نبوت کا درجہ ہے، اُس کے متعلق تمام دُنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیاء انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں، یہی خیال تھا جس سے رام کرشن، زردشت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا، یا کم از کم مظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور۔ نہایت آزادی نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ انبیا بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہیں ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اے محمد! کہدو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں، مجھپر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ ۔ عیسیٰ کو اس بات سے عار نہیں کہ وہ خدا کے غلام ہیں

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ۔ اے محمد! کہدو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف وحی کا پیرو ہوں جو مجھپر آتی ہے

قُلْ لَّوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۔ اے محمد! کہدو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا۔

دنیا میں جتنے مذہب گذرے ہیں سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے ملا دیے تھے یا کم سے کم قریب کر دیے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہے کہ اُس نے دونوں کی حد بالکل جدا کر دی۔

خوب غور کرو۔ ہم مسلمان آنحضرت کو تمام انبیاء سے بزرگ، اور افضل مانتے ہیں باوجود اسکے حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ کو روح اللہ کہتے ہیں اور آنحضرت کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ نماز میں جب شہادتین ادا کرتے ہیں تو رسالت کے اقرار سے پہلے عَبْدُهٗ کا لفظ کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی "ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد خدا کے بندے ہیں، اور پھر رسول ہیں" یہ کیوں؟

اس لیئے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اس کے آگے کوئی شخص گو وہ کسی درجہ کا ہو بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرت کو خالص توحید دلون مین جانشین کرنی تھی اسلیے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لیے صرف عبدیّت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے؛

سزا و جزا

معاد اور عذاب و ثواب۔ سزا و جزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہے کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہین کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے اور چونکہ دُنیا دار العمل ہے اس لیے یہان تو انسان کو سزا نہین ملتی، لیکن جب قیامت مین خدا، مسند حکومت پر متمکن ہوگا، تو تمام معاملات اُس کے حضور مین پیش ہون گے اور خدا حسب مراتب، لوگون کو اُنکی نافرمانیون کی سزا دے گا، اسی طرح جن لوگون نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے ان کو صلے اور انعامات ملین گے۔

یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہے اور عام لوگون کو نیکی کی طرف مائل کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طرز نہین ہو سکتا۔

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہین ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنے کا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانیات مین اسباب و علل اثر اور موثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے، املتاس مسہل ہے، اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات مین بھی قائم ہے، نیک و بد جس قدر افعال ہین انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے، اچھے کامون سے روح کو انبساط ہوتا ہے، بُرے افعال سے انقباض، آلودگی، اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہین جو اس سے جدا نہین ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی معاف بھی کردے تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتا، غرض اچھے روح مین جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور بُرے کامون سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالیؒ

مضمون بہ علی غیر اہلہ مین لکھتے ہین،

اَمَّا الْعِقَابُ عَلٰی تَرْكِ الْاَمْرِ وَارْتِكَابِ النَّهْيِ فَلَيْسَ الْعِقَابُ مِنَ اللّٰهِ غَضَبًا وَّانْتِقَامًا وَمِثَالُ ذٰلِكَ اَنَّ مَنْ غَادَرَ الْوِقَاعَ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِعَدَمِ الْوَلَدِ فَكَذٰلِكَ نِسْبَةُ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِيْ اِلَى الْاٰخِرَةِ وَلِذَا اَنَّهُمَا مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ فِي السُّؤَالِ عَنْ اَنَّهُ لِمَ تُفْضِي الْمَعْصِيَةُ اِلَى الْعِقَابِ كَالسُّؤَالِ فِيْ اَنَّهُ لِمَ يَهْلَكُ الْحَيْوَانُ عَنِ السَّمِّ

امر اور نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی نہین کہ خدا کو غصہ آئے گا اور وہ انتقام لیگا بلکہ اسکی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائیگا اسکے اولاد نہوگی، طاعت و معصیت، کی وجہ سے قیامت مین جو ثواب عذاب ہوگا اسکی بالکل یہی مثال ہے لہذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیون مرجاتا ہے۔

امام صاحب نے اسی کتاب مین یہ بھی تصریح کردی ہے کہ خدا نے جن باتون کا حکم دیا ہے یا جن باتون سے روکا ہے اس کی مثال یہ ہے جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزون سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہین کرتا تو اس کو ضرر ہوتا ہے، یہ ضرر صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بد پرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہین کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی کی اس لیے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت، بد پرہیزی ہے، فرض کرو، کہ طبیب، بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بد پرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا۔ اسی طرح خدا اگر گناہون کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا تاہم ان گناہون کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہونچا ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے بری ہے، اگر تمام عالم، فسق و فجور مین پڑجائے یا نماز روزہ نہ بجالائے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے، اس صورت مین انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملہ امام صاحب کی اصل عبارت ہم نے الغزالی مین نقل کی ہے۔

ملاحدہ یہ بھی کہتے ہین کہ درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہین کہ دُنیا کے بادشاہون کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائین دیتے ہین - اس لیے اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گنا ہون سے ناراض ہوتا ہے، اور قیامت مین گنا ہگارون کو دوزخ مین عذاب گوناگون دے گا۔ لیکن عذاب وثواب کی جو حقیقت ہم نے بیان کی، اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحدہ کا اعتراض خود بخود اُٹھ جاتا ہے،

اسلام نے عذاب وثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لیے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب مین اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃً اور کنایۃً ظاہر کی اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام دیگر مذاہب مین صرف عوام کی تلقین وہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود، یا بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم وتربیت کو اپنا مقصد نہین قرار دیتے تھے - بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لیے آیا جس مین، عالم وجاہل، احمق ودانا، عارف وعامی زاہد وصوفی، ظاہر پرست اور حکیم، سب داخل تھے،

عذاب وثواب، اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید مین جابجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین -

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ہان اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جاہر القرآن مین اس آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین -

أَيْ إِنَّ الْجَحِيمَ فِي بَاطِنِكُمْ - یعنے دوزخ خود تمھارے اندر موجود ہے

ایک اور مقام پر ہے -

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ تمھارے سے کہتے ہین کہ عذاب جلد آجائے حالانکہ دوزخ

جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ — نے کافرون کو ہرطرف سے چھا لیا ہے۔

امام غزالی اس آیت کے متعلق، جواہر القرآن مین لکھتے ہین۔

وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهَا سَتُحِيطُ بَلْ قَالَ هِيَ مُحِيطَةٌ — خدانے یہ نہین کہا کہ دوزخ آیندہ محیط ہو جائیگی بلکہ یہ کہا کہ ابھی سے محیط ہے

ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے۔

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ — ہم نے ظالمون کے لیے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہے جس کے پردون نے ظالمون کو گھیر لیا ہے۔

امام غزالی اسکے متعلق لکھتے ہین۔

وَلَمْ يَقُلْ يُحِيطُ بِهِمْ — (خدانے یہ نہین کہا کہ آیندہ گھیر لیگی بلکہ یہ کہا کہ اسوقت گھیر لیا ہے)

امام صاحب ان آیتون کی یہ تفسیر لکھ کر لکھتے ہین۔

فَاِنْ لَمْ تَفْهَمِ الْمَعَانِيَ كَذَالِكَ فَلَيْسَ لَكَ نَصِيبٌ مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا فِي قُشُورِهِ كَمَا لَيْسَ لِلْبَهِيمَةِ نَصِيبٌ مِنَ الْبُرِّ اِلَّا فِي قِشْرِهِ — تو اگر تم مطالب کو اسطرح نہین سمجھتے تو تم کو قرآن سے صرف اُسکا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہائم کو گیہون مین سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

عبادت — اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوتی آئین تمام مذاہب نے اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کین۔

(حاشیہ: عبادت)

(حاشیہ: مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیان)

سب سے بڑی یہ غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہین کہ **عبادت** خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اس کا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفاشعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور اس بنا پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤن کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے، نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے ہین روزے رکھتے ہین حج کرتے ہین، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدانے حکم دیا ہم بجا لائے، جس قدر ہم تکلیفین اُٹھاتے ہین اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینون کھانا

چھوڑ دینا۔ ایک پاؤن پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا مین معلق رکھ کر خشک کر دینا، جاڑون مین برہنہ آسمان کے نیچے سونا۔ چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت مین بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتین ہندؤن، عیسائیون، اور دیگر مذاہب مین پائی جاتی ہین، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے،

اس خیال نے یہان تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی۔ بہت سے لوگ خود اپنے آپ کو بل چڑھا دیتے تھے، اس سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل مین جو خیال یا خیالات آسکتے ہین وہ صرف وہی ہوتے ہین جو گرد و پیش کی چیزون سے پیدا ہو سکتے ہین۔ انسان کسی ایسی چیز کا خیال نہین کر سکتا جو اُس کے حواس سے بالاتر ہو، اُس نے جو کچھ دیکھا یا سُنا ہے، اُسی کو بڑھا کر گھٹا کر، بگاڑ کر، یا ترقی دے کر، ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہین کر سکتا،

انسان کے دل مین جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا تو ضرور تھا کہ اُس کے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن مین آئین، انسان نے شاہون، اور شہنشاہون، کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سُنا تھا یہی تھا کہ وہ اظہار اطاعت سے خوش ہوتے ہین، جان نثاری۔ ادب، عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہین، اور جو شخص جس قدر زیادہ اِن خدمات کو بجا لاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہے، ان ہی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب مین عبادت کے جس قدر اقسام ہین سب مین ان ہی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے یہی بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحدہ کہتے ہین کہ مذہبی خیالات خود انسان نے اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لیے ہین، یورپ مین حکمائے حال نے جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کیے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی چنانچہ انھون نے اس کے لیے یہ اصول قرار دیئے،۔

(۱) انسان کے جس قدر فرائض زندگی ہیں، مثلاً کسب معاش، پرورش اولاد، محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات میں شمار کیا جائے[1]

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز، روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دیے جائیں، بلکہ غرض یہ ہو کہ اُن پر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو،

(۳) اعتدال کی حد سے متجاوز نہ ہوں،

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہیں عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے،

یہ وہ اصول ہیں جو اس زمانہ ترقی میں یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے رازہائے سربستہ کا طلسم کھُل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتا دیے تھے سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندوں کی عبادت کی کچھ پروا نہیں۔

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ — جو شخص محنت اُٹھاتا ہے تو اپنے لیے اُٹھاتا ہے۔ خدا

إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ — تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

پھر کلّی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہنچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا — جو شخص اچھا عمل کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اور جو بُرا کرتا ہے تو اپنے لیے

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ — خدا یہ نہیں چاہتا کہ دین میں تمھارے اوپر کچھ دقت پیدا کرے

وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ — بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرے

پھر عبادات میں سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کیے۔

نماز کی نسبت کہا

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ — نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے۔

روزہ کی نسبت فرمایا

---

[1] پروفیسر ڈرول سیمان (تطبیق صفحہ ۳۰)

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ — غالباً تم پرہیزگار ہوجاؤ گے

حج کی نسبت فرمایا

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج) — تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئیں

زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہیں

ان باتوں کے ساتھ تمام عبادات میں اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائیں اور اُن کے ادا میں کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آئے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ — خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ — خدا یہ نہیں چاہتا کہ مذہب میں تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ — خدا چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کردے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا — خدا کسی کو اُسکی سکت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا اور اُنکے ادا اور بجالانے کی ترغیب

تجارت کے متعلق فرمایا

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ — دُنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ (رزق) کو ڈھونڈو۔

اولاد کی خواہش کو صلحا و مقربین کے خصائص میں شمار کیا قرآن مجید میں جہاں خواص اُمت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ — اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا ہماری بیویوں سے

اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ — اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کر

اسی بنا پر تمام صحابہ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے زندگی کے ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانوں کا خیال ہے کہ صحابہ کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ نکاح کرنا۔ خانہ داری کے کاموں کو انجام دینا، سب عبادت تھا، صحابہ کی تخصیص نہیں، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہیں، بشرطیکہ اسی طرح کیے جائیں جسطرح صحابہ کرتے تھے،

حقوق انسانی

حقوق انسانی۔ انسان کو مختلف طبقات انسانی سے جو تعلقات ہین وہ انسان پر مختلف حقوق پیدا کرتے ہین، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہین۔ دنیا مین جسقدر مذاہب ہین سب نے کم و بیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہان تک وہ اخلاق کے دائرہ مین آ سکتے ہین۔ بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح و وراثت و وصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ مین داخل کرلیا ہے لیکن یہ تعلقات ایسے مشتبہ نازک، اور دقیق ہین کہ اُن کے متعین کرنے مین اور پھر اُن سے جو حقوق پیدا ہوتے ہین اُن کے قرار دینے مین اکثر غلطیان واقع ہوتی ہین ان تمام مسائل مین اسلامی شریعت مین جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اس کی نظیر بانیان مذہب اور حکما کسی کے ہان نہین مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکتون تک بڑے بڑے حکما کی بھی رسائی نہ ہوسکی وہ ریگستانِ عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے ظاہر ہوتے۔

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے جہان تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا مین یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خودکشی کرنا کوئی جرم نہین خیال کیا جاتا تھا یونان کے بڑے بڑے حکما خودکشی کو جائز سمجھتے تھے یہان تک کہ دہان کے بعض نامور حکما نے اپنے تئین آپ ہلاک کرلیا تھا۔

خودکشی کا مسئلہ

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اس بنا پر خودکشی کی ممانعت کی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

اسلام نے خودکشی کو مٹا دیا

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا وجود خیال کرتا ہے اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اسلیے جس قسم کا اختیار اُس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت

بھی خیال کرتا ہے، اسی بنا پر مختلف شکلون مین قتل اولاد کی بنیاد قائم ہوگئی تھی، ہندوستان اور کارتھیج مین عین تہذیب و تمدن کے زمانہ مین بھی اولاد کو بتون اور دیوتون پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب مین نہایت کثرت سے دختر کشی جاری تھی، اسپارٹا اور روم مین بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضائع کردی جائے، ارسطو کی رائے تھی کہ لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہین، اسپارٹا مین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست و قوی ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹائیجٹس پہاڑ پر سے اس کو گرادیتے تھے۔ اور بہت سی قومون مین اس قسم کا رواج پایا جاتا تھا سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جور و ظلم کو مٹایا۔

تمام دنیا مین قتل اولاد کسی نہ کسی صورت مین رائج اور جائز تھا

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ	اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔
وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اور اسی طرح ان کے شریکون نے اولاد کے قتل کرنے کو
قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ	ان کی نظر مین اچھا دکھلایا۔

اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا

عورتون کے حقوق ۔ عورت جو نوع انسانی کا نصف حصہ ہے، اس کے حقوق کی نسبت دنیا کے مختلف حصون مین سیکڑون ہزارون قانون بنے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت تک اس فرقہ نے اپنے حقوق کی داد نہ پائی جب تک اسلام، دنیا پر سایہ فگن نہ ہوا، دنیا کے مختلف ممالک کو، فطرت نے خاص خاص خصوصیتون مین ممتاز پیدا کیا تھا ان مین سے روم کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ، اٹلی کی مصوری، ایران کی نفاست پسندی شہرت عام رکھتی تھی۔ اسی طرح روم کا قانون، تمام دنیا مین، اعلٰی اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا۔ روم کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین کا سنگ بنیاد ہین، اس اعلیٰ ترین قانون مین عورتون کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے عورت شادی کے بعد، شوہر کی زرخرید جائداد ہوجاتی تھی، اس کا تمام مال و متاع خود بخود شوہر کی ملک

عورتون کے حقوق

ہوجاتا تھا۔ وہ جو کچھ زر ومال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا ملوکہ ہوجاتا تھا وہ کوئی عہدہ نہین پاسکتی تھی، وہ کسی کی ضامن نہین ہوسکتی تھی وہ اداے شہادت کے قابل نہ تھی وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہین کرسکتی تھی یہانتک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہین کرسکتی تھی[1]

رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحین ہوئین لیکن وہ اصلاحین محض وقتی تھین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پُرانے اصول قائم ہوجاتے تھے ۵۸۶ء مین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ مین اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہین۔ جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لے کر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت، نوع آدم مین داخل ہے اور اس لیے ذی روح بھی ہے لیکن اسکے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے"

رومن لا

انگلستان مین ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہین کرسکتی تھی۔ اس کی تمام جائداد، شوہر کی ملک ہوجاتی تھی، اور وہ اسکو جس طرح چاہتا صرف کرسکتا تھا۔ تیس برس سے کم ہوے کہ وومن ایکٹ بنا جس سے ان قوانین میں اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بے اعتدالیان ابتک قائم ہین۔

یہودیون کے ہان نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اُس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔

ہندوؤن کے ہان، بعینہ رومن لا کے سے قواعد تھے، یعنی اُس کی جائداد شوہر کو مل جاتی تھی وہ کسی قسم کی خود مختارانہ معاملہ و معاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی۔ لڑکی۔ ماں وغیرہ کو میراث کا کوئی حصہ (بجز حق پرورش کے) نہین ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقاً

[1] برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا لفظ وومن (عورت)۔

کوئی حصہ نہین پہنچتا تھا - باپ مرتا تھا تو اُس کی بیویان، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھین اور وہ اُن کو اپنی بیویان بنا لیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن مین سے تین طریقے حسب ذیل تھے :-

دو شخص اپنی بیویون کو مدت معین کے لیے آپس مین بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے، اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت ان مین سے کسی کے پاس کہلا بھیجتی تھی کہ تم سے مجکو حمل رہ گیا ہے - پھر وہ اُسکی اولاد قرار پاتی تھی - چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ شناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اُس کی اولاد قرار پاتا تھا چنانچہ نکاح کی یہ تینون صورتین صحیح بخاری مین حضرت عائشہ رض کی روایت سے مذکور ہین -

اسلام نے عورتون کو کیا حقوق دیے

اب دیکھو قرآن مجید نے عورتون کے حق مین کیا کیا؟ لیکن اسکے بتانے کے قبل اس امر کا ذکر کرنا ضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفون کا دعویٰ ہے کہ در اسلام مین جسقدر احکام اور مسائل ہین وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہین، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہین کیا، عورتون کے متعلق عیسائیون - یہودیون، ہندوؤن کے ہان جو قواعد تھے وہ تم پڑھ چکے، اب خیال کرو، کہ اسلام نے انکی نقل کی ہے یا خود ایسے فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہین پہنچا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد مین کس قسم کا فطری تعلق ہے، اور یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم اور مرد کی راحت و تسلی ہے -

وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا (اور تمھارے لیے خود تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ۴) اُنکے پاس آرام پاؤ، اور تم دونون مین محبت اور پیار پیدا کیا

پھر مختلف پیرایون مین یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہین جو دونون ایک دوسرے کے محتاج الیہ ہین، دونون کے تعلقات - دونون کی حیثیت - دونون کے حقوق برابر درجہ کے ہین -

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ) عورتین تمھارا لباس ہین اور تم اُن کا
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتون پر مردون کے جو حقوق ہین اُسی قسم کے اُنکے حقوق مردون پر ہین

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہین، ان مین مرد عورت، ایک درجہ پر ہین مثلاً مان۔ باپ۔ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور پھوپی کا یکسان مرتبہ ہے، قرآن مجید مین باپ مان کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ اور مان باپ سے نیکی کرنا اور جو کوئی ان دونون مین سے
الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ بڑھا ہو جائے تو نہ جھڑک اُن کو اور نہ ڈانٹ بتا۔ اور اُنسے
وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ ادب کی بات کر۔ اور اُن کے آگے پیار سے عاجزی
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر
كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا جس طرح دونون نے مجکو بچپن مین پالا

مان کے حقوق کو زور دے کر بیان کیا۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) مان نے اسکو پیٹ مین تکلیف کے ساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

رومیون اور ہندوؤن کے اس قانون کے مقابلہ مین کہ عورت کا مال و متاع سب شوہر کا ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک نے یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ مرد جو کمائین وہ اُنکا ہے، اور عورتین جو کمائین وہ اُن کا

ہندوون مین، اور خود عرب جاہلیت مین عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی اُسکے مقابلہ مین یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ باپ مان، اور رشتہ دارون کی وراثت مین مردون کا حصہ ہے
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اور (سورہ نساء) باپ مان اور رشتہ دارونکی وراثت مین عورتون کا حصہ ہے

دختر کشی کے رسم کو ان لفظون سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک، مسلمانون مین ایک واقعہ بھی وجود مین نہ آیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ — اور جب کہ موؤدہ (زندہ دفن کی ہوئی لڑکی) سے قیامت مین سوال ہوگا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

جاہلیت مین دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اسکے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے نکاح کر لیتے تھے، یا اس کو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول کر لیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسمون کو یہ کہکر مٹایا۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ — تم کو یہ جائز نہین کہ زبردستی عورتوں کو وراثت مین لے لو، اور نہ یہ کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ انکو دل چکا ہو اسمین سے کچھ لے لو

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا اسکے بجاے یہ کہا۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء) — اور دو عورتون کو اُن کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت مین عورتوں کے ساتھ جس لطف، محبت، یگانگیت، مساوات کے ساتھ پیش آنا چاہیے اُس کو ان جامع الفاظ مین ادا کیا۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ — اور معاشرت کرو عورتون سے بہ طرز معقول

زن و شوئی کے تعلقات مین سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کے نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دُنیا کی تمام قومون نے اسکے متعلق مختلف پہلو اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دُنیا اسقدر ترقی کر گئی ہے، یہ غلطیان قائم ہین۔ عیسائیون مین اسقدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت مین طلاق ہو ہی نہین سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ مین جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پُرفضیحت واقعات پیش آتے رہتے ہین، سیکڑون زن و شو ہین جن مین حد درجہ کی سوء مزاجی اور نا اتفاقی ہے، ناموافقت نے دونون کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، ازدواج کے جو فوائد اور مقاصد ہین

وہ بالکل معدوم ہین، سالہا سال اسی کوفت مین بسر ہوتے ہین لیکن اس مصیبت سے چھوٹنے کی صرف یہ تدبیر ہے کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت عدالتون مین اپنی بیویون کی زناکاری کا دعویٰ کرتے ہین اور سیکڑون ہزارون آدمیون کے مجمع مین اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہین، مدتون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اسکے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہین وہ ہر قسم کی فضیحتی۔ رسوائی۔ بے شرمی۔ اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہین، لیکن یہ سب اسلیے گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان بیحیائیون کے بغیر عورت کے پنجہ سے رہائی نہین ہوسکتی۔ ہندو قانون بھی اس باب مین عیسائیون ہی کے مشابہ ہے۔

دوسری طرف یہودی ہین جن کے ہان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے کھانے مین نمک تیز ہوجائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے۔ اب دیکھو اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا

قرآن مجید نے پہلے مختلف پیرایون مین یہ تلقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق نفس پرستی اور رفع شہوت کے لیے نہین ہے بلکہ حسن معاشرت اور پامداری اور الفت کے لیے ہے

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ	قید مین رہنے کو نہ مستی نکالنے کو
وَخَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا	اور تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویان پیدا کین تاکہ تم
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً	تسکین پاؤ اُنسے اور تم دونون مین پیار اور محبت پیدا کی

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت مین اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا	تو اگر تم ان کو ناپسند کرو، تو یہ ہوسکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء)	ہو، اور خدا اُس مین بہت کچھ بھلائی پیدا کرے۔

یہی تلقین عورت کو بھی کی۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے ناراضی یا بیرخی کا ڈر

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء) ہو تو اسمین کچھ مضائقہ نہین کہ دونون صلح کرلین اور صلح اچھی چیز ہے

پھر عورت کی بدخوئی اور بدمزاجی کے رفع کرنے کی تدبیرین بتائین کیون کہ بدمزاجی کو ہمیشہ برداشت کرتے رہنا حقیقت مین تکلیف مالایطاق ہے۔

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ اور جن عورتون کی نافرمانی کا تم کو خوف ہو تو اُن کو نصیحت کرو

فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ اور اُنکو چھوڑ دو اُنکی خوابگاہ مین۔ اور اُنکو مارو (خفیف طور پر)

فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا پھر وہ اگر کہا مان لین۔ تو اُنکے خلاف، حیلے نہ ڈھونڈو۔

اسپر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہ ہو تو اس صورت مین قبل اس کے کہ خود مرد اور عورت، کوئی فیصلہ کرین، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے معاملات مین، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہین، ہر شخص مجموعۂ قومی کا ایک جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لیے پبلک اور قوم کو اس مین مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا اور اگر تم کو خوف ہو کہ آپس مین نارضی ہوجائیگی تو ایک پنچ

حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا مرد کے گھرانے سے۔ اور ایک عورت کے گھرانے سے مقرر کرو

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کرلیا کہ طلاق دے گا، تو اس ناگزیر صورت مین اسلام نے طلاق کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتون کا لحاظ رکھا۔

سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے مین بتدریج طلاق دی جائے یعنی ہر مہینہ مین ایک طلاق (اصطلاح مین اس فاصلہ کو عدت کہتے ہین) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا مین سوچ سمجھکر مرد اپنی رائے سے باز آجائے۔

اس کے ساتھ پھر فرمایا۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ اور اِن کے خاوندون کو زیادہ حق ہے کہ واپس

إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (بقرہ رکوع ۲۸) لے لین، اگر چاہین صلح کرنی۔

پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت اسکے لیے کبھی جائز نہ ہوگی جبتک وہ دوسرا نکاح نکرے اور شوہر ثانی بھی اُسکو طلاق نہ دیدے

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر مین نے طلاق دیدی اور آیندہ چل کر میری طبیعت اتفاقاً پھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اُس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف مین رہ کر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کرے گا ع عقیق کندۂ نام دگرچہ کار آید۔

اس کے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہین، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ

پھر جب وہ پہنچین اپنے عدت کو، تو یا رکھ لو انکو معقول طریقہ پر یا چھوڑ دو معقول طریقہ پر، اور گواہ مقرر کر لو اپنے معتبر آدمی اور ٹھیک گواہی دو خدا کے لیے

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پبلک معاملہ قرار پائے گا اور اس کے ثبوت کے لیے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہونگے تو غیرتمند آدمی مشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا۔

ان تمام باتون کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت مین قواعد ذیل کی پابندی ضروری قرار دی۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ (سورہ طلاق) أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ

عدت کے زمانہ مین عورتون کو اُن کے گھرون سے نہ نکالو انکو رہنے کا مکان وہان تم خود رہتے ہو اپنی مقدور کے موافق اور ان کو نقصان نہ پہنچاؤ دق کرنے کو۔ اور اگر وہ حاملہ ہون تو بچہ جننے تک اُن کا خان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ دودھ پلائین تمھاری خاطر تو اُن کو اجرت دو۔ اور آپس مین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے موافق کھانا کپڑا دینا پرہیزگاروں پر

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ طلاق دے کر عورت کو محبوس رکھتے تھے، اور اسکو نکاح ثانی کرنے نہیں دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو متاثر منظور ہوتا تھا کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اس کو ورغلا کر کے مہر معاف کرالیں، یا کوئی حصہ چھڑوالیں، کبھی صرف اس خیال سے روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح میں آنا عار خیال کیا جاتا تھا، ان باتوں کی اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن	اور ان کو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ایذا دو ظلم کرو۔ اور جو شخص
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ)	ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔
فَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا	پھر جب تم عورتوں کو طلاق دو اور انکی عدت پوری ہو جائے
تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ)	تو اس بات سے انکو نہ روکو کہ وہ اپنے (آئندہ) شوہروں سے شادی کرلیں

اگر مطلقہ عورت کو حمل ہے، تو بچہ جننے کے دو برس بعد تک، مرد کو اس کا کھانا کپڑا دینا پڑیگا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں۔
لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ	جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلوائے اور
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ)	مرد پر ان کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔

کثرت یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے تو مہر کا دینا گراں گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیروں سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے تھے، اس کے لیے فرمایا۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ	اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری کرنی اور
زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا	دے چکے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کو مہر خزانہ) تو اب اُن سے کچھ
مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا	واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے اور
وَإِثْمًا مُّبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ	کیونکر لے سکتے ہو، حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ چکا (یعنی

وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۔ زناشوئی کے تعلقات وقوع مین آچکے)

ان تمام احکام کا ماحصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریون سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مُدت مین تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مُدت مین عورت کو کافی موقع ملے گا کہ اپنے لیے نیا شوہر ڈھونڈھے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور اسکے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمّہ ہونگے، اسکے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کُل کا کُل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھون تکلیف نہ اُٹھانی پڑے گی۔

کیا اس سے زیادہ، کوئی حکیم، اور کوئی مقنن، عورتون کے لیے عمدہ قانون بنا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام کے سوا، دُنیا کے کسی اور مذہب مین، اس رحم اور مراعات کی نظیر مل سکتی ہے؟[1]

وراثت منجملہ ان قوانین کے جن مین، دُنیا کی قومین ہمیشہ مختلف الآراء رہی ہین اور آج بھی ہین یہ مسئلہ بھی ہے، عیسائیون مین صرف اولاد اکبر، جائداد غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد کو گذارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہین۔ وراثت

ہندوؤن مین کُل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت دارون کو کچھ نہین ملتا۔ لڑکیون کو صرف نان ونفقہ ملتا ہے۔

عرب مین، عورتون کو مطلق وراثت نہین پہنچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے، اولاد ذکور کے سوا۔ باپ۔ بھائی۔ ماں بہن وغیرہ کو وراثت مین سے کچھ حصہ نہین ملتا تھا۔

یورپ آج کل اسقدر تہذیب وتمدّن مین ترقی کر گیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہے کہ صرف اولاد اکبر وارث ہوتی ہے۔

اب غور کرو کہ تمدّن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے چاہئین، اس بحث کا مدار دو سوالون پر ہے، ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد مین منقسم ہونا، اور وراثت کس اصول پر مبنی ہے؟

[1] اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ یہ تمام احکام وہ ہین جو قرآن مجید اور احادیث کے روسے ثابت ہین۔

پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد مین محدود رہنا، دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مرجانے پر اس کی جائداد اس کے عزیزون کو کیون ملتی ہے،

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ دولت کی مقدار جسقدر زیادہ افراد مین تقسیم ہوکر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی ممالک مین یہی چیز ممیز اور فارق ہے۔ شخصی سلطنتون مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اُسکے ارکان و مقربین دولتمند ہوتے ہین، باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہین بخلاف اسکے شائستہ ممالک مین، بادشاہ سے لے کر انفار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علیٰ قدر مراتب، اُترتی آتی ہے۔

اسلام کے قواعد وراثت تمامتر اصول عقلیہ پر مبنی ہین

اس اصول کا لحاظ۔ صرف اسلام کے قواعد وراثت مین پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے مطابق، میت کے تمام رشتہ دار دور و قریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہین، مان باپ چچا۔ دادا۔ بھائی۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ ماموں وغیرہ۔ سب، وراثت مین کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہین وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قرابت ہے یعنی جن لوگون کو میت سے تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک رنج و راحت اور اُس کے اعضاؤ جوارح تھے، ان کو میت کی جائداد مین سے حصہ ملنا چاہیے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار وراثت کے لیے خاص کردیے جائین، بے شبہ رشتہ دارون کے مراتب متفاوت ہین، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن یہ صریح ظلم اور ناانصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیون کو بالکل محروم کردیا جائے اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر، وارث ہو، اولاد کو جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکسان حاصل ہے، باوجود اس کے صرف کبیر السن ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیون کو بالکل محروم کردینا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن رشتہ دارون سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے اُن کے مراتب متعین کیے

اور اُسی نسبت سے، اُن کے مختلف اور کم و بیش حقے مقرر کیئے۔
حقوق عامۂ ناس۔ اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکوکاری۔ خوش خلقی فیاضی رحمدلی۔ کے ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس موقع پر اُن کا ذکر نہین کرتے کیونکہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم تمام مذاہب کا اصل اصول ہے اور اس مین کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہین، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذہب والون یا غیر قومون کے ساتھ کس قسم کے سلوک کی تعلیم کی ہے؟
دُنیا مین بڑی بڑی قومین جو تمام دنیا پر چھا گئی تھین، ہندو۔ پارسی۔ عیسائی اور یہودی تھے۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قومون کو جو آرین نہ تھین شودر کا لقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے اُن کے لیے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ سخت اور ذلت کے قاعدے، کسی کے خیال مین نہین آسکتے وہ ہر قسم کی عزت، آزادی۔ عہدہ اور اختیارات سے محروم کردیے گئے انتہا یہ کہ اگر وید مقدس کی آواز، اتفاقیہ کسی شودر کے کان میں پڑجائے، تو اُس کے کان مین سیسہ پلادینا چاہیے کیونکہ اُس کے ناپاک کان، اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہین ؎
قدیم عیسائیون کے عروج کا اصلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے۔ یہ سلطنت ایک مُدّت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت و شان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور دور حصّون مین ان کے نام سے لرزہ پڑجاتا تھا، لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فرینچ کی انسائیکلو پیڈیا مین اُس کا خاکہ ان لفظون مین کھینچا ہے[۱]۔
رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بیرحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اُسکے جو فضائل تھے یعنی شجاعت تکبر۔ پیش بینی۔ ترتیب۔ اتحاد باہمی وہ بعینہ

---

[۱] تطبیق صفحہ ۳۷۔

چوروں اور ڈاکوؤں کے فضائل تھے۔ اس کی وطنیت بالکل وحشیانہ تھی۔ لیے انتہا حبِ جاہ اجنبی قوموں کے ساتھ کینہ پروری، رحمدلی کے احساس کا فنا ہو جانا۔ ان چیزوں کے سوا وہاں اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عظمت وشان جس چیز کا نام تھا وہ تیغ بازی۔ دُرّہ زنی۔ قیدیانِ جنگ کو سزا دینا۔ بچوں اور بوڑھوں سے گاڑی کھچوانا تھا۔

یہودیوں نے غیر قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ خود توراۃ میں مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنوں کے ساٹھ ہزار آدمی جو گرفتار ہوئے تھے ان میں سے عورتیں اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائیں اور سب کے سب قتل کردیے جائیں۔"

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

اسلام نے غیر مذہب اور غیر قوموں کو کیا حقوق دیے

قوم اور نسل کی تمیز تو سرے سے اٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا، لیکن اس نے، پارسی ہند و ترک۔ تاتار، حبشی۔ افغانی غرض تمام دنیا کی قوموں کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ، عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اسقدر آزادی کا مدعی ہے، لیکن غیر قوموں کے ساتھ اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح وہ مٹا نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر یورپ والوں کا ہم مذہب ہو جائے، تو پیشوایان مذہب اس کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ قیامت میں وہ اُن کا ہم رتبہ ہوگا، لیکن اس دارِ فانی میں جو حدِ فاصل قائم تھی وہ قائم رہے گی، برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزنویہ۔ دیلمیہ۔ سلاجقہ۔ ترک۔ چراکسہ وغیرہ کو جن میں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت، نوبت، شاہنشاہیاں بخش دیں اور خود عرب کو اُن کا محکوم بنا دیا۔

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمیں قرار دیں:

(۱) ذمی یا اور معاہد یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت میں رہتے ہیں یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے۔

(۲) حربی یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے

یا قائم ہو سکتی ہے۔

ذمیون کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانون کا ہمسر بنا دیا، لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حقوق الذمیین[1] ہے اس لیے اس موقع پر ہم اُس کی تفصیل نہین کرتے۔

حربیون کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔	خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین، اور اس حد سے آگے نہ بڑھو، خدا حد سے بڑھ جانے والون کو پسند نہین کرتا
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔	اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح جیسا تم سے لیا گیا، اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والون کے لیے صبر اچھا ہے۔
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَنْ لَا تَعْدِلُوا	کسی قوم کی دشمنی، تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو

قرآن مجید مین اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہین کہ "کافرون کو جہان پاؤ قتل کرو"، تمام "کافرون سے لڑو"، "کافر خدا کے دشمن ہین"، ان آیتون سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانون کا فرض مذہبی ہے۔

اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانون نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتین، منسوخ ہوگئین، لیکن تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ	جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا۔ ان کی نسبت خدا تم کو اس بات سے منع نہین کرتا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی کرو، اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ خدا تو تم کو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو
إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ	

[1] یہ رسالہ اور چند رسالون کے ساتھ چھپا ہے جسکا نام رسائل شبلی ہے اور مدرسۃ العلوم علی گڈھ سے مل سکتا ہے۔

فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	منع کرتا ہے - جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمھارے
وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ	گھروں سے نکالا - اور تمھارے نکالنے پر اعانت کی - اور جو
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	لوگ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں وہ ظالم ہیں

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اُس صورت کے کہ مخالفین مذہب، مسلمانوں سے مذہبی لڑائی لڑیں اور اُن کو اُن کے مُلک سے نکال دینے یا نکال دینے پر اعانت کریں، اور کسی صورت میں، اُن سے دوستی رکھنا یا اُن کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہیں۔ عیسائی اور بعض اور مذہبوں میں بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہیں مثلاً انجیل میں ہے کہ "اگر تمھارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو کہ یہ بھی حاضر ہے"

لیکن یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو بظاہر نہایت خوشنما ہیں لیکن واقع میں فضول ہیں کیونکہ فطرت انسانی کے خلاف ہیں اور اس وجہ سے عملی صورت میں کبھی ان کا ظہور نہیں ہو سکتا اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونوں سے الگ ہے اور اسکے جسقدر احکام ہیں، تمام فطرت انسانی کے موافق ہیں۔

بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے، مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف، اور مختصر ہے اور یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر پوپ کا ایک محقق ان الفاظ میں حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل اور پُر پیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اُٹھے گا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف کیوں نہ ہوا کہ میں ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر، یہی دو لفظ تھے جن کے زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعۃً کافر، مسلمان گمراہ، ہدایت یافتہ شقی سعید، اور مردود مقبول بن جاتا تھا، لیکن زمانہ کے استداد اور طبائع کے اختلاف نے اس متن پر

سیکڑون حاشیے بڑھادیے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہوگیا ہے جس کو قرون اولی کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اترا تھا وہ تو آج بھی نہین سمجھ سکتے، طرّہ یہ کہ یہی نوزائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار قرار پا گئے، قرآن مجید مخلوق ہے یا قدیم؟ صفات الٰہی عین ذات ہین یا غیر؟ اعمال جزو ایمان ہین یا خارج؟ قرن اوّل مین ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا، لیکن زمانۂ مابعد مین ان ہی کو کفر و اسلام کی حد فاصل قرار دیا گیا، تاریخ علم کلام مین تم پڑھ چکے ہوگے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا فتنے برپا ہوئے، بہرحال، اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہین کہ جدید علم کلام مین نفیاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہین۔

ان مسائل پر دو حیثیتون سے بحث کرنی چاہیے۔

مسائل عقائد کی نوعیت

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے۔

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ مین ہم مفصلاً لکھ چکے ہین، یہان صرف اسقدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہین، بعض ایسے ہین جن کا ذکر قرآن مجید یا حدیث مین سرے سے نہین ہے، لیکن چونکہ متکلمین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہین اسلیے ان سے بحث کرنی ضرور ہے کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہین ہوسکتی۔ مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بنصریح قرآن و حدیث مین مذکور نہین لیکن جو عقائد قرآن مجید مین مذکور ہین، انکے لوازم مین سے ہے کیونکہ قرآن کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی خدا کی صفات مین ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہوگی کیونکہ جو چیز حوادث کا محل ہوتی ہے خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ بجاے خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہین۔

بعض مسائل ایسے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین لیکن چونکہ ان کی کیفیت مذکور نہین اسلیے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہوگئے مثلاً معاد کی کیفیات - قرآن مجید مین نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہین، اشاعرہ نے اسکی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جائے گا جو دُنیا مین موجود تھا، حکماے اسلام کے نزدیک، معاد کو جسم سے تعلق نہین، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ روح جوہر بسیط ہے اور وہ پیدا ہوکر فنا نہین ہوتی

مسائل عقائد جو قرآن مین مذکور نہین

دوسری بحث - پہلی قسم کے مسائل یعنی جن کا ذکر قرآن مجید یا احادیث صحیحہ مین سرے سے نہین ہے وہ درحقیقت علم کلام مین داخل نہین[1] لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہین اسلیے ان کا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہین:-

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت مین نہین	حنابلہ اور اکثر محدثین اسکے مخالف ہین۔
(۲) خدا کے جسم نہین ہے	کرامیہ، اسکے مخالف ہین ابن تیمیہ بھی جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جوہر یا عرض نہین	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ مین نہین یعنی زمانی چیز نہین	
(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہین ہوسکتا	وحدت وجود والون کے نزدیک ہر چیز خدا ہے۔
(۶) خدا کی ذات مین کوئی حادث چیز قائم نہین ہوسکتی	کرامیہ اس کے مخالف ہین۔
(۷) خدا کی صفات، عین ذات نہین	حکماے اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات ہین
(۸) خدا قادر بالذات ہے یعنی فعل اور ترک	بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک، موجب بالذات ہے

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ ۹۹ مین) تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہین کہ کسی شخص کا اہل سنت وجماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہین ہے۔

فعل کا مختار ہے

یعنی جس طرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہے اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہین -

(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہے

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے اور جو چیز واحد بالذات ہے، اس سے بالذات صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے چنانچہ خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات پیدا ہوئی -

(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے

معتزلہ کے نزدیک حادث ہے

(۱۱) خدا کا کلام قدیم ہے اور یہ کلام نفسی ہے

حنبلیون کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہے لیکن کلام نفسی نہین بلکہ حرف اور صوت کا نام ہے، معتزلہ کے نزدیک، کلام الٰہی حادث ہے اور حرف وصوت کا نام ہے -

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین - وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہین، انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہین -

معتزلہ کے نزدیک، انسان کا ارادہ اور قدرت خود اُسکے افعال کی علت ہے البتہ یہ ارادہ اور قدرت، خدا نے اس مین پیدا کی ہے -

(۱۳) خدا کے افعال معلل بالاغراض نہین

معتزلہ کے نزدیک، خدا کے ہر فعل کی غرض وغایت ہے -

(۱۴) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،

(۱۵) سمع وبصر جو خدا کے اوصاف ہین تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہین -

(۱۶) کلام باری مین کثرت نہین بلکہ وہ واحد محض ہے -

(۱۷) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے۔

ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہین لیکن مہمات مسائل یہی ہین اس لیے ہم نے ان ہی پر اکتفا کی،

دوسری قسم کے عقائد وہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین ہے،

جو امور قرآن مین مذکور ہین لیکن ان کی کیفیت مذکور نہیں

یہ عقاید زیادہ اُن چیزوں سے متعلق ہین جو روحانیات یا عالم غیب مین داخل ہین، مثلاً وجود ملائکہ۔ حشر و نشر۔ بہشت و دوزخ۔ صراط۔ میزان وغیرہ، چونکہ ان کا ذکر خود قرآن مجید میں تھا اس لیے اجمالاً تمام اسلامی فرقون نے انکو مانا لیکن انکی حقیقت اور ماہیت کے متعین کرنے مین اختلاف ہوا۔ بعض فرقون نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لیے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ مین کچھ تاویل نہین کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیات کے سمجھانے کا یہ ایک طریقہ ہے یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضائے فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید مین اسکا اشارہ موجود تھا قرآن مجید مین ایک آیت ہے،

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ	قرآن مجید کی بعض آیتین صاف ہین اور وہی ام الکتاب
مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ہین اور بعض مبہم ہین۔ تو جن لوگون کے دلون مین کجی ہے وہ مبہم
زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ	آیتون کے پیچھے پڑے رہتے ہین تاکہ فساد پیدا کرین، اور تاکہ
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ وَمَا يَعْلَمُ	اُن کی تاویل کرین، حالانکہ اُنکی تاویل بجز خدا کے کوئی نہین
تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ	جانتا یا وہ لوگ جو علم مین پکے ہین، وہ کہتے ہین ہم اس پر
يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ (آل عمران رکوع ۱۶)	ایمان لائے۔

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو الگ جملہ قرار دیا جس کے رو سے یہ معنی ہوے کہ جو آیتین مبہم ہین اُن کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا۔ باقی جو لوگ راسخ فی العلم ہین وہ صرف یہ کہہ کر رہ جاتے ہین کہ ہم اس پر ایمان لائے دوسرے فریق کے

لہ تفسیر کبیر اٰيٰتٌ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ الگ جملہ نہین ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہوے کہ مبہم آیتون کی تاویل بجز خدا کے اور بجز اُن لوگون کے جو علم مین پکے ہین اور کوئی نہین جانتا۔ پہلے معنی کے قائل، حضرت عائشہ۔ حسن بصری۔ مالک ابن انس۔ کسائی۔ فرار اور جبائی وغیرہ ہیں۔ دوسرے معنی کے قائل، مجاہد۔ ربیع بن انس اور اکثر متکلمین ہین۔ عبداللہ بن عباس سے دونون روایت ہے اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا یعنی یہ کہ کون سی آیتین محکم ہین اور کون سی مبہم اس بنا پر عقاید مبحوث فیہا مین متعدد اختلافات پیدا ہوے۔

(۱) یہ عقاید جن آیتون مین مذکور ہین وہ مبہم ہین یا نہین؟

(۲) مبہم ہین تو اُن کی تاویل کرنی چاہیے یا نہین؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیونکر؟

چونکہ آیندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لیے سب سے پہلے ہم کو تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہین جائز ہے اور کہین ناجائز؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار کہان تک قرار دیا جا سکتا ہے؟

تاویل کی حقیقت

تاویل کے معنی اصل لغت مین مرجع و مصیر کے ہیں اور اصطلاح میں تعبیر اور تفسیر کو کہتے ہین قرآن مجید مین یہ لفظ اکثر ان ہی معنون مین استعمال ہوا ہے سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیری اصطلاح مین تاویل کے یہ معنی ہین کہ کسی لفظ کے ظاہری اور لغوی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لیے جائین۔

اسلام مین جس قدر فرقے ہین حشویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے، امام احمد بن حنبل کے نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ تاویل کے بالکل مخالف تھے تاہم مین موقع پر وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز مین (بجز حشویہ کے) اور کسی کو کلام نہین، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل مین ہے یعنی کہان جائز ہے اور کہان

نہیں؟ اسلامی فرقون مین ظاہر پرستی اور دقیقہ سنجی کے لحاظ سے جو فرق مراتب تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا۔ سب سے پہلا درجہ ارباب ظاہر کا ہے ان کے نزدیک کہین تاویل جائز نہیں۔ مثلاً قرآن مجید مین ہے کہ ہم نے آسمان وزمین سے کہا کہ بہ خوشی یا باکراہ حاضر ہو" دونون نے کہا ہم مطیعانہ حاضر ہین" یا مثلاً قرآن مین ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہین کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتون مین وہی لغوی معنی مراد ہین یعنی یہ کہ فی الواقع زمین وآسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے کے وقت کُن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب قریب ہے، قرآن مجید میں ہے کہ خدا کے دونون ہاتھ کھلے ہوے ہین، امام موصوف نے کتاب الابانۃ مین تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنی مراد ہین، کوئی مجاز یا استعارہ نہین ہے"

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ۔ پھر ماتریدیہ۔ پھر معتزلہ۔ پھر حکماے اسلام ہین اس بحث مین سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہے یعنی کن موقعون پر تاویل جائز ہے اور کن موقعون پر نہین۔ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اور فصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں اس پر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لیے ہم اس کا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین، احیاء العلوم جزو اوّل کتاب قواعد العقائد۔ فصل ثانی مین ہے"

تاویل کے متعلق امام غزالی کی راے

اگر تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جن مین سے بعض نہایت واضح ہین اور ابتداءً ذہن مین آجاتے ہین بعض خفی ہین جو مجاہدہ وریاضت کدورت اور فکر صحیح سے حاصل ہوتے ہین اور وہ بھی اُس وقت کہ دنیا کی تمام چیزون سے فارغ الذہن ہو کر اُن ہی پر توجہ کی جائے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ شریعت مین ظاہر وباطن دو الگ چیزین نہین ہین بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہے وہی باطن ہے جو مخفی ہے وہی آشکارا ہے، تو تم کو یہ جاننا چاہیے

کہ ان علوم کا خفی و جلی ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہین کر سکتا۔ صرف وہ لوگ اس کا انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن کے زمانہ مین کچھ سُن لیا اور اسی پر جم گئے انھوں نے بلندی کی طرف اور علما و اولیا کے مقامات کی طرف ترقی نہین کی، اور یہ خود شریعت کے دلائل سے ثابت ہے آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہین اور ایک باطن، ایک حد ہے اور ایک مطلع۔ (یہ حدیث صحیح نہین مترجم) حضرت علی نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس مین بڑے بڑے علوم ہین کاش ان کا کوئی حامل ملتا، آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہم پیغمبر لوگ ہین، ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگون سے ان کی عقل کے موافق بات کرین" (یہ حدیث بھی مرفوع نہین بلکہ حضرت علی کا قول ہے) آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کی جائے اور وہ اُن کی عقل سے باہر ہو تو اُن کے حق مین فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ آنحضرت نے کہا ہے کہ بعض علوم پوشیدہ ہین جن کو صرف عارفان الٰہی جانتے ہین، الخ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم بھی جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"

اب بتاؤ اگر یہ راز کی باتین نہ تھین جن کے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ اُن کو نہین سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرت نے ان کو ظاہر کیون نہین فرمایا؟ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت بیان کرتے تو لوگ بہر حال تصدیق کرتے ابن عباس نے اس آیت کے متعلق اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ کہا ہے کہ اگر اس آیت کی تفسیر مین بیان کرون تو تم لوگ مجھ کو پتھر مارو گے اور دوسری روایت مین ہے کہ تم کہو گے کہ عبداللہ بن عباس کافر ہے" اور ابو ہریرہ کا قول ہے کہ مین نے آنحضرت سے دو قسم کی باتین یاد کین، ایک کو شائع کیا، اور دوسرے کو اگر شائع کرون تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائے گی، اور آنحضرت نے فرمایا کہ ابو بکر کو جو فضیلت تم لوگون پر ہے وہ زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے نہین ہے بلکہ اس راز کی وجہ سے ہے جو اُس کے

سینہ مین امانت ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ یہ راز مذہبی ہی اصول کے متعلق تھا اور جو چیز مذہبی اصول مین داخل تھی وہ ظاہری طور پر اوروں سے بھی مخفی نہین ہوسکتی تھی، اہل تستری کا قول ہے کہ علما کے پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہین (۱) علم ظاہر جس کو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہین، (۲) علم باطن جو صرف ان لوگون پر ظاہر کیا جاتا ہے جو اُس کے اہل ہوتے ہین، (۳) وہ علم جس کا تعلق صرف خدا سے ہوتا ہے اور کسی کے سامنے ظاہر نہین کیا جاتا، بعض عرفا کا قول ہے کہ ربوبیت (خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہے، بعضون کا قول ہے کہ "ربوبیت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو نبوت بیکار ہوجائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو علم بیکار ہوجائے اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو تمام احکام باطل ہوجائین" اس قائل کا غالباً مطلب یہ ہے کہ نبوت، کوتاہ بینون کے نزدیک باطل ہوجائیگی ورنہ اگر یہ مطلب نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونون مین تناقض نہین کیونکہ کامل وہی ہے جس کا نور معرفت، نور تقویٰ کو بجھا نہ دے اور تقویٰ کا مرکز نبوت ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات مین تاویل ہوسکتی ہے، ورنہ ظاہر و باطن مین کیونکر اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہے تو شریعت باطل ہوجائے گی اور یہ وہی بات ٹھہرے گی کہ حقیقت خلاف شریعت ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہے اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونون ایک ہی ہین تو پھر دو قسمین کیسی؟ اس صورت مین شریعت مین کوئی قابل اخفا راز نہ ہوگا اور ظاہر و پنہان ایک ہوگا"

تو تم کو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی مہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے اور علم مکاشفہ کی طرف منجر ہوتا ہے اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور جا پڑتا ہے حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اوپر مذکور ہوئے وہ اعتقادات قلبی مین داخل ہین اور ہم نے ان پر تقلیداً یقین کیا ہے، نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہین کیے گئے ہین، اور اگر یہ اعتقاد اعمال مین داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب مین ان کا

ذکر بھی نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہین نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصۂ اوّل مین اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہونا تو یہ قلب کی باطن سے متعلق ہے، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا آپڑا ہے کہ ظاہر و باطن مین تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہے اس لیے مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے۔

وہ اسرار جن کا فاش کرنا منع ہے انکی پانچ قسمین ہین

جو شخص یہ کہتا ہے کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہین وہ اسلام کے بجاے کفر سے زیادہ قریب ہے، اصل یہ ہے کہ جو اسرار مقربین سے مخصوص ہین، اور جن کو اور لوگ نہین جانتے اور جن کا فاش کرنا منع ہے ان کی پانچ قسمین ہین،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتین اس کے سمجھنے سے عاجز ہین وہ تو خواہ مخواہ مقربین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ان کا فرض ہوگا کہ اس کو نااہلون پر ظاہر نہ کرین ورنہ اُن کے حق مین وہ موجب فساد ہوگی۔ کیونکہ اُن کے فہم کی وہان تک رسائی نہین ہوسکتی، اسی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرت نے اعراض کیا، کیونکہ روح کی حقیقت، عام لوگون کے فہم مین نہیں آسکتی، اور وہم اس کی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہے، یہ نہ سمجھو کہ آنحضرت کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہین جانتا وہ اپنی حقیقت نہین جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہین جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہے، بعض علما اور اولیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے ہین اور اس وجہ سے جس موقع پر انبیا نے سکوت کیا ہے وہ بھی سکوت کرتے ہین۔ روح پر کیا موقوف ہے، خدا کی صفات مین وہ باریکیان ہین جن کو عوام نہین سمجھ سکتے۔ چنانچہ آنحضرت نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً علم، قدرت وغیرہ بیان کیین، ان کو بھی لوگون نے اس وجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے تھے اس لیے خدا کی قدرت اور علم کو سپر قیاس کرسکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کیے جائین جن کے مشابہ کوئی صفت انسان مین موجود نہین ہے تو انسان اس کا تصور نہین کرسکتا،

بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا نامرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہیں سمجھ سکتا بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ کھانے مین جو لذت ہے، اس کے مشابہ ہے، لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہیں ہے خدا کے علم وقدرت اور انسان کے علم وقدرت مین جو فرق ہے وہ اس سے کہین زیادہ ہے جس قدر کھانے کی لذت اور جماع کی لذت مین ہے۔

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گذشتہ) کا تصور کرتا ہے پھر اپنے آپ پر قیاس کرکے دوسرون کی ذات وصفات کا بھی تصور کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ دونون مین شرف وکمال کے لحاظ سے فرق ہے، اس بنا پر انسان جو کچھ کرسکتا ہے اُس سے زیادہ نہین کرسکتا کہ خود اس مین جو اوصاف پائے جاتے ہین مثلاً۔ فعل۔ قدرت۔ علم وغیرہ ان ہی کو خدا مین بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہوگا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے بالاتر قرار دے گا تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہے نہ اُن صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہین اسی بنا پر آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اے خدا! مین تیری توصیف اس طرح نہین کرسکتا جس طرح تو نے خود کی ہے" اس حدیث کے یہ معنی نہین کہ آنحضرت کو خدا کے صفات معلوم تھے اور اُن کو ادا نہین کرسکتے تھے بلکہ آپ کو اعتراف تھا کہ مین خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہون" بعض بزرگون نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچاننے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اس کے نہ پہچان سکنے کا اقرار کیا جائے"

یہان پہونچ کر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسمون مین سے ایک وہ مسائل ہین جو فہم کے دائرہ سے باہر ہین ان ہی مین روح کا مسئلہ بھی ہے، خدا کے بعض صفات بھی اس مین داخل ہین، حدیث ذیل مین بھی اسی طرف اشارہ ہے" خدا کے ستر پردے ہین، جو نور کے ہین اور اگر وہ کھل جائین تو دیکھنے والے جل کر رہ جائین"

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیا اور صدیقین ظاہر نہین کرتے وہ وہ ہین کہ بجاے خود قابل فہم ہین لیکن انکا ذکر اکثرون کے حق مین مضر ہے، گو انبیا اور صدیقین کے حق مین مضر نہین، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جس کا ظاہر کرنا اہل علم کو نا جائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہین کہ بعض حقائق کا ذکر بعض لوگون کے حق مین مضر ہو، مثلاً آفتاب کی روشنی چمگادڑ کے حق مین، اور گلاب کی خوشبو گبریلے کے حق مین مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیان سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہین فی نفسہ سچ ہے لیکن یہی بات اکثرون کے حق مین مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی دلیل ہے، اور حکمت کے خلاف ہے اور گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے چنانچہ ابن الراوندی اور بعض اور نالائق اسی بنا پر ملحد ہو گئے قضا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگون کو خدا کے عجز کا گمان ہوگا، کیونکہ اس شبہ کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگون کے سمجھ مین نہین آ سکتا۔

اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ قیامت کے آنے مین ہزار برس یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا، لیکن اگر یہ تعیین کر دی جاتی تو خلاف مصلحت ہوتا اور اسمین خلق کو ضرر پہونچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے مین زیادہ دیر ہے تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہین قیامت کی چنداں پروا نہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے اور وہ تعیین کر دیا جاتا تو لوگون پر اسقدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

(۳) تیسرے قسم کے وہ امور ہین کہ اگر صاف طور پر کہدیے جائین تو سمجھ مین آجائین اور اس مین کچھ ضرر بھی نہین، لیکن ان کو استعارہ اور رمز کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والے کے دل مین اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے کہ دلپر زیادہ قوی اثر ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے فلان کو دیکھا کہ وہ سور کی گردن مین موتیون کا ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ نا اہلون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہری معنے

سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہوگا کہ وہان نہ سوار تھا نہ ہوتی تو اصل غرض کی طرف اس کا خیال منتقل ہوگا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

رَجُلَانِ خَیَّاطٌ وَّ آخَرُ حَائِكٌ ... مُتَقَابِلَانِ عَلَی السِّمَاكِ الْاَعْزَلِ

لَازَالَ يَنْسِجُ ذَاكَ خِرْقَةَ مُدْبِرٍ ... وَيَخِيطُ صَاحِبُهُ ثِيَابَ الْمُقْبِلِ

ان شعرون مین شاعر نے آسمانی اقبال وادبار کو دو کاریگرون سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی تعبیر مین معنی مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو عین معنی یا اس کی مثال پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قسم مین آنحضرت کا یہ قول داخل ہے، کہ مسجد تھوک سے اس طرح کبیدہ ہوکر سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ پر رکھنے سے، حالانکہ بظاہر مسجد مین انقباض نہین پیدا ہوتا، لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس مین تھوکنا اس کی تحقیر ہے، اسلیے یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چمڑے کو آگ مین ڈال دینا ہے، اسی طرح آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہین ڈرتا کہ خدا اسکے سر کو گدھے کا سر بنا دے" اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہین ہوا اور نہ کبھی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدھے کے سر مین صورت و شکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہین اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غباوت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدھے کا سر ہے، کیونکہ یہ انتہاے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلتا ہے اور پھر اس سے آگے نکل جائے یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہین، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، دلیل عقلی یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہون مثلاً آنحضرت کا قول کہ "مسلمانون کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے"، حالانکہ اگر مسلمانون کے دل کو دیکھا جائے تو اس مین کہین انگلیان نظر نہ آئینگی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیون سے یہان قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہے اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لیے

کی گئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظون سے تعبیر کیا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہین تو ہم کہتے ہین کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے) یہان ظاہری معنی کسی طرح نہین لیے جاسکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہین تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہے تو تحصیل حاصل ہے، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہے اسلیے اس طریقہ سے ادا کیا گیا، دلیل شرعی کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہوگیا ہو، کہ وہ معنی مراد نہین جیسا کہ اس آیت مین۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِهَا الخ پانی سے قرآن اور وادیون سے دل مراد ہین جن مین سے بعض مین بہت سا خس و خاشاک ہے بعض مین کم۔ اور بعض مین بالکل نہین، اور جھاگ سے کفر و نفاق مراد ہے کیونکہ گو وہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہے اور ہدایت جو لوگون کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے۔

اس تیسری قسم کو لوگون نے زیادہ وسعت دی ہے یہان تک کہ قیامت مین ترازو و پل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہے لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ کوئی حدیث اس کے موافق منقول نہین اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ نہین اس لیے ظاہری ہی معنی لینے چاہئین[1]۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہوجائے، ان دونون علمون مین ایسا فرق ہے جیسے چھلکے اور مغز مین یا ظاہر و باطن، مین اس کی یہ مثال ہے کہ جس طرح کسی شخص کو کوئی چیز تاریکی مین، یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت مین اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن جب روشنی مین یا قریب سے دیکھے گا تو دونون صورتون مین تفاوت معلوم ہوگا، دوسری

[1] امام صاحب اخیر مین وہی اشاعرہ کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب مین اس قسم کا پردہ رکھنا ضرور تھا لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات مین اس راز کو فاش کر دیا ہے۔

حالت پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے انسان، عشق، بیماری یا موت کا یقین رکھتا ہے لیکن جب خود اسکو یہ موقع پیش آتے ہین تو وہ یقین پہلے یقین سے کہین زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات کے متعلق مختلف حالتین ہوتی ہین۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہے، جو وقوع کے بعد ہوتا ہے جو ختم ہوجانے کے بعد ہوتا ہے، آپس مین مختلف ہین مثلاً بھوک جب زائل ہوجاتی ہے تو اُسکے یقین کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت مین تھی، اسی طرح علوم دین کی حالت ہے، کہ وجدان کے مرتبہ کو پہونچکر کامل ہوتے ہین، کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہے۔ ایک بیمار کے ذہن مین صحت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے کہین مختلف ہے جو ایک صحیح کے ذہن مین ہے۔

ان چارون اقسام مین لوگون کی حالت متفاوت ہے حالانکہ ان سب حالتون مین باطن، ظاہر کی مناقض نہین بلکہ اس کا متمم ہے جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہے۔

(۵) یہ وہ صورت ہے کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوتاہ فہم ظاہر پر اٹکتا ہے اور اسکو حقیقی نطق سمجھتا ہے، لیکن حقیقت شناس اصلی راز کو سمجھتا ہے یہ ایک ضرب المثل ہے کہ دیوار نے کھونٹی سے کہا کہ تو مجکو کیون چھیدتی ہے کھونٹی نے کہا کہ اس سے پوچھو جو مجکو ٹھونک رہا ہے کیونکہ مین خود مختار نہین ہون۔ یہان۔ زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا۔ اسیطرح قرآن کی یہ آیت

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ — پھر خدا آسمان کیطرف بڑھا جبکہ وہ دھوان تھا اور زمین سے

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا — اور زمین سے خطاب کرکے کہا کہ تم دونون بخوشی یا بہ اکراہ

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ — حاضر ہو، دونون نے کہا ہم بخوشی حاضر آتے ہین۔

احمق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہین اور یہ الفاظ حرف اور صوت کے ذریعہ سے خدا نے ان سے کہے۔ زمین اور آسمان نے ان کو سمجھا اور جواب دیا کہ ہم حاضر ہین لیکن نکتہ شناس جانتا ہے کہ یہ زبان حال ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زمین اور

آسمان خدا کے ارادہ کے وابستہ ہین، اسی طرح پر خدا کا یہ قول ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ایک چیز بھی ایسی نہین جو خدا کے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔

کو دن آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات مین حیات، عقل اور گویائی ہے اور درحقیقت سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہین، لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہین بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح۔ خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہُ الْوَاحِدُ

محاورہ مین کہتے ہین کہ یہ عمدہ صنعت گری۔ کاریگر کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہین ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہے بلکہ اسکی حالت سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حالتون کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے، لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہین نہ ارباب ظاہر جنکی سمجھ، صرف ظاہر پر محدود ہے اس لیے خدا نے کہا۔

وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہین سمجھتے

کوتاہ نظر تو مطلقاً نہین سمجھ سکتے۔ علماے راسخین اور مقربین سمجھتے ہین لیکن وہ بھی کنہ اور ماہیت نہین سمجھتے۔ کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہین ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ ان کو سمجھتا ہے، ان شہادتون کے اقسام گننا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے۔

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس مین ارباب ظاہر اور ارباب باطن مین تفاوت اور فرق ہے اور یہین سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر مین فرق ہے،

اس مقام مین لوگون نے افراط و تفریط کی ہے۔ بعض اس قدر بڑھ جاتے ہین کہ سرے سے ظاہر کو اٹھا دیتے ہین۔ یہان تک کہ جس قدر مظاہر اور براہین ہین کل یا اکثر کو رد

دیتے ہین مثلاً خدا کے ان ارشادات کو

وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ | اور ہم سے اُنکے ہاتھ باتین کرینگے اور اُنکے پاؤن شہادت
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا | دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال سے کہینگے کہ تم نے
قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ | ہمارے خلاف کیون گواہی دی کھالین کہینگی کہ ہم کو
كُلَّ شَیْءٍ | اُس خدا نے گواہ کر دیا جس نے تمام چیزون کو گویا کر دیا۔

اسی طرح منکر نکیر کے سوال و جواب۔ میزان۔ پل صراط۔ حساب و کتاب۔ دوزخیون اور بہشتیون کے مناظرے، دوزخیون کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے دو۔ ان تمام باتون کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہین۔

دوسرے گروہ نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سد باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل ان ہی لوگون مین ہین، وہ کن فیکون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہین اور یہ لوگ سمجھتے ہین کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے، یہانتک کہ مین نے امام احمد بن حنبل کے بعض مقلدین سے سُنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثون کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ وہ تین موقع یہ ہین: "حجر اسود دُنیا مین خدا کا دایان ہاتھ ہے" "مسلمان کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے" "مجکو یمن سے خدا کی بو آتی ہے" امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہین ہو سکتا کہ وہ استواء علی العرش اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہون گے۔ البتہ انھون نے تاویل کو بلحاظ پیش بندی اور نفع عام کے سرے سے روکا ہو گا۔ کیونکہ جب ایک دفعہ دروازہ کھُل جاتا ہے تو بات قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور اعتدال قائم نہین رہتا، کیونکہ جب اعتدال سے آگے قدم بڑھا تو اُسکی کوئی حد نہین قرار پا سکتی اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک مین کچھ مضائقہ نہین، سلف کے طریقہ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وہ لوگ ان موقعون کی نسبت کہتے تھے کہ جس طرح روایت مین ہے اسی طرح رہنے دو۔

امام مالک سے کسی نے استواء علے العرش کے متعلق پوچھا تو اُنھون نے کہا "استواء معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول، اور اس پر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہے"۔

بعض لوگون نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو نصوص ہین اُن کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن مین تاویل کرنے سے ممانعت کی، یہ لوگ اشعریہ ہین، معتزلہ نے ان پر ترقی کی یعنی صفات الٰہی مین سے مرئی ہونے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی معراج کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر، میزان، پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی - تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہوگا، اور بہشت مین تمام ماکولات، مشمومات، منکوحات و دیگر لذات جسمانی ہون گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی جسمانی ہوگا اسمین ایسا آتشین مادہ ہوگا جس سے بدن کی کھال جل جائے گی فلاسفہ اسلام نے اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب مین جو کچھ وارد ہے وہ لذتین یا تکلیفین سب روحانی ہین، یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقاے نفس کے قائل ہین اور کہتے ہین کہ نفس کو جو کچھ عذاب و ثواب ہوگا وہ حسی نہین ہوگا -

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہین، فلاسفہ کی اس آزادی اور حنبلیون کے جمود مین جو بین بین کا درجہ ہے وہ باریک اور غامض ہے اور اُس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو توفیق یافتہ ہین اور جو تمام چیزون کو روایت سے نہین بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہین، پھر جب اُن پر حقائق امور منکشف ہوجاتے ہین تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہین، ان مین سے جو الفاظ انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہین اُنکو بحال خود رہنے دیتے ہین اور جو مخالف ہوتے ہین اُنکی تاویل کرتے ہین باقی جن لوگون کا مدار صرف روایت پر ہے تو ان کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہین سکتا اور نہ انکا کوئی مستقر قرار پا سکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اُسکو یہی مناسب ہے کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم مکاشفہ مین داخل ہے اور اسمین گفتگو کرنی طول کھینچتی ہے اس لیے ہم اس مین نہین گھستے ؎

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہین ہین بلکہ موافق ہین ان پانچون اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتین حل ہوگئین"

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون مین بحوث اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دیے اُن سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ حل ہو جاتا ہے تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہین؟ تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہین، اور جواز کی حیثیت سے ان اقسام مین کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اس بحث کا پورا فیصلہ کر دیا ہے، اسلیے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ

وہ لکھتے ہین کہ اشیا کے وجود کی پانچ قسمین ہین۔

(۱) **وجود ذاتی**۔ یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان و زمین کا وجود۔

(۲) **وجود حسّی**۔ یعنی وہ وجود جو صرف صاحب حس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیمارون کو بیداری کی حالت مین صورتین نظر آتی ہین۔ انبیا علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتین نظر آتی ہین امام صاحب اس کو بھی اسی قسم مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ اس قسم کے تحت مین لکھتے ہین۔

بَلْ قَدْ يَتَمَثَّلُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ فِي الْيَقْظَةِ وَالصِّحَّةِ صُوَرٌ جَمِيلَةٌ مُحَاكِيَةٌ لِجَوَاهِرِ الْمَلٰئِكَةِ وَيَنْتَهِي إِلَيْهِمُ الْوَحْيُ وَالْإِلْهَامُ بِوَاسِطَتِهَا فَيَتَلَقَّوْنَ مِنْ أَمْرِ الْغَيْبِ مَا يَتَلَقَّاهُ غَيْرُهُمْ فِي النَّوْمِ وَذٰلِكَ لِشِدَّةِ صَفَاءِ بَاطِنِهِمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا وَكَمَا أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ كَثِيرًا۔	بلکہ کبھی انبیا اور اولیا کو بیداری اور صحت مین خوبصورت صورتین نظر آتی ہین جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہین ان ہی صورتون کے ذریعہ سے انبیا اور اولیا کو وحی اور الہام ہوتا ہے ترغیب کے امور جو اورونکو خواب مین معلوم ہوتے ہین انبیا اور اولیا کو صفائی باطن کیوجہ سے بیداری مین معلوم ہوتے ہین، جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ مریم کے سامنے جبریل ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیسا کہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) **وجود خیالی**۔ یعنی وجود ذہنی،

(۴) **وجود عقلی**، مثلاً جب ہم کہتے ہین کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ مین ہے اور اس سے مراد

قبضہ وقدرت ہوتی ہے تو یہ ہاتھ کا وجہ عقلی ہے کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہے۔
(۵) وجہ شبہی۔ یعنی خود وہ شے موجود نہین بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش مین آنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزون سے بری ہے لیکن خدا مین ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے۔

ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین۔

اِعْلَمْ اَنَّ کُلَّ مَنْ نَزَّلَ قَوْلًا مِّنْ اَقْوَالِ	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجات مین
الشَّرْعِ عَلٰی دَرَجَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الدَّرَجَاتِ	سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہے تو وہ شرع کی
فَهُوَ مِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَاِنَّمَا التَّكْذِيْبُ	تصدیق کرنے والون مین ہے تکذیب کرنے والا وہ
اَنْ يَّنْفِيَ جَمِيْعَ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ ،	شخص ہے جو ان تمام معانی کی نفی کرتا ہے،

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن وحدیث مین ہو، پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اس شے کا وجود ذاتی نہین ہوسکتا تو حسی پھر خیالی۔ پھر عقلی، پھر شبہی، اسکے بعد ان مراتب کی مثالین دی ہین اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گریز نہین۔ مثلاً احادیث مین آیا ہے کہ اعمال تولے جائین گے چونکہ اعمال عرض ہین اور عرض تولا نہین جاسکتا اسلیے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی۔ اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہین بلکہ اعمال کے کاغذات تولے جائینگے، معتزلہ نے کہا نہین، وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے حقیقی ترازو مراد نہین۔

امام صاحب نے جو اقسام قرار دیے اور انکی جو حقیقت بیان کی وہ تاویل کے مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آمدی وغیرہ نے تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آجتک سیکڑون غلطیان جو ہوتی آئین سب اسی کی بدولت ہین، امام صاحب نے تاویل کا

ایک اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے تب اور معانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے" یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن دلیل قطعی کا لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑوں غلطیوں کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔

امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ "جب وجود ذاتی یعنے ظاہری معنی کے مراد لینے میں کوئی محال لازم آتا ہو، تو معاً دیل کرنی چاہیے، محال کا لفظ استعمال میں، محال عادی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے لیکن امام صاحب محال عقلی کی قید لگاتے ہیں جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول ٹھیرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے میں محال عقلی لازم آتا ہو، تب تاویل کرنی چاہیے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر کو کافر کہتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی نہیں اس لیے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس اصول کی پابندی کہاں تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب (فیصل التفرقہ) میں حضرت جبریل کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آئے تھے، وجود ذاتی نہیں قرار دیتے۔ حالانکہ اُنکے نزدیک حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ وقوعی چیز ہے۔ جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید میں جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی میں داخل نہیں، قرآن مجید میں ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہیں حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہیں، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث

اب ہم کو بجائے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہاں تک صحیح ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے میں کوئی

استحالہ لازم آتا ہے، کیا اُس شخص کے ہاتھون کا واقعی کھلا ہونا ناممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہین لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان مین سیکڑون مجازات ہوتے ہین کیا ان تمام مجازات مین حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثون کے بعد، محال کی بحث باقی رہ جاتی ہے محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہین سمجھتا خدا کا ذوجہت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے حنبلیون کے نزدیک ممکن ہے۔ موت کا مجسم ہوکر مینڈھا بن جانا، اشاعرہ کے نزدیک محال ہے۔ بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے امام صاحب نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حنبلیون کو اس بنا پر کافر نہین قرار دیا کہ وہ جن چیزون کو مانتے ہین مثلاً خدا کا ذوجہت اور ذوا شارہ ہونا وہ گو فی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ اُن کے نزدیک محال نہین اس لیے وہ معذور ہین، بے شبہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے لیکن یہ فیاض دلی حنبلیون ہی تک کیون محدود رکھی جائے حکماے اسلام کے نزدیک اعادۂ معدوم عقلاً محال ہے، اس لیے وہ حشر اجساد کے قائل نہین اُن کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہین؟

لفظ محال کی غلط تعبیر نے دینی پیشوایون کی بنیاد ڈالی

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزارون وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن معنون مین لیا اُس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزین ممکن تھین اس لیے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اُس کی بنا پر سیکڑون دور از کار باتون کا قائل ہونا پڑا اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتون مین ہے کہ "آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جاکر سجدہ کرتا ہے" "آسمان پر اس کثرت سے فرشتے ہین کہ اُن کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے" "خدا نے ازل مین حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو ان کی بائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوّا کو

بنایا" ازل مین حضرت آدم کی پیٹھ سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی۔ پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لے کر اُن کو اُن کی پیٹھ مین بھر دیا"۔ سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک اُٹھائی اور مٹی کا بچھڑا بنا کر وہ خاک اُس کے پیٹ مین ڈال دی اُس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا" وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات مین ظاہری معنی مراد لینے مین اشاعرہ کے نزدیک، محال عقلی لازم نہین آتا اس لیے ظاہری معنی لینے پڑے۔

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانون کو آج وہم پرستیون مین مبتلا کر رکھا ہے ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دودھ کر دیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھدی فلان کامل نے سیکڑون مُردے زندہ کر دیے۔ چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہین ہین اس لیے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہین پڑتی بلکہ یہ کہکر تسلیم کر لیے جاتے ہین کہ ان مین استحالہ کیا ہے؟ اور جب کوئی استحالہ نہین تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان مین اُترا ہے اس لیے زبان عرب کی جو خصوصیات ہین سب اس مین پائی جاتی ہین اور پائی جانی چاہئین اسمین مجازات استعارات تشبیہات سب ہی کچھ ہین اور اُسی طرح ہین جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لیے یہ ضرور نہین کہ اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہو حمالۃ الحطب کے معنی لکڑیان چننے کے ہین، لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہین۔ قرآن مجید مین ابو لہب کی جورو کو حمالۃ الحطب کہا ہے یہان اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہین لیکن اہل لغت چغلخور کے معنی لیتے ہین اور کوئی شخص اُنکو اس بنا پر کافر یا گمراہ نہین کہتا کہ اُنھون نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا۔ ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لیے یہ لازم نہین کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہے کہ اصلی معنی مقصود نہین، قرآن مین ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہیے دونون نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر

ہین، یہان طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہے
بعض جگہ سیاق کلام دلالت نہین کرتا لیکن ظاہری معنی مراد لینے بالکل مستبعد اور دور از کار وہم پرستی ہوتی ہے، اس لیے وہان مجازی معنی لیے جاتے ہین۔

تاویل درحقیقت تاویل نہین ہے۔

ایک اور نکتہ مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہے اُن پر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تاویل کے معنی یہ قرار دیے گئے ہین کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کیے جائین، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہے، استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہے، لیکن اس کو، لوگ تاویل کہتے ہین لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہین، پھر لفظ کو اس وجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہین، یہ معانی حقیقت مین درجۂ دوم کے معنی ہین جن کو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لیے گئے ہین اور اصلی معنی قرار پا گئے ہین، عربی زبان مین جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنی ہوتے ہین، ان مین اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہین لیکن مناسبت کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہین، ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابون کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے۔

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہین، وہ تاویل نہین، کیونکہ جس معنی مین ان کا استعمال ہوا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنی ہین۔

غرض فذلکۂ سخن یہ ہے کہ شرع مین جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہین ان کی متعدد

صورتین ہین بعض امور ایسے ہین جو عام ادراک سے باہر ہین، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہین جو چند ان دقیق نہین لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جمہور عوام کے حق مین مضر ہے،

بعض ایسے ہین جو اگر صاف صاف بیان کر دیے جاتے تب بھی سمجھ مین آ سکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور واقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظون سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" امام غزالی اس صورت کو بیان کر کے لکھتے ہین کہ اکثر لوگون نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ کو اسی قسم مین داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم نہین آتا"

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ امام صاحب کی یہ رائے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جواہر القرآن اور مضنون وغیرہ مین واقعات قیامت کے متعلق ان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

بعض جگہ حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت مین جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسی یا خیالی یا عقلی یا شبہی مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بہ تفصیل بیان کیا،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہین،

روحانیات

روحانیات یا غیر محسوسات

ملائکہ وحی۔ واقعات قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزین قرآن مجید مین، مذکور ہین، اس لیے ان پر ایمان لانا واجب، اور شرط اسلام ہے اور اس لیے تمام اسلامی فرقون، مین اجمالاً یہ عقائد مسلم ہین، لیکن چونکہ قرآن مین ان کی کیفیت مذکور نہین اس لیے ان کی تشریح مختلف فرقون نے، مختلف طریقون سے کی۔

اشاعرہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ضرور نہین کہ ایک شے موجود ہو اور نظر بھی آئے اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزین موجود ہون اور نظر نہ آئین۔

شرح مواقف مین رویت باری کی بحث مین ہے۔

لا نسلم وجوب الرؤیۃ عند اجتماع الشروط الثمانیۃ

ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ رویت کی آٹھون شرطین موجود ہون تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعویٰ جسقدر عجیب وغریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے،

لانا نری الجسم الکبیر من البعید صغیرا وما ذلک الا لانا نری بعض اجزائہ دون البعض مع تساوی الکل فی حصول الشرائط۔

کیونکہ ہم بڑے جسم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہین اور اسکی صرف یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ہم کو اسکے بعض اجزا نظر آتے ہین اور بعض نہین حالانکہ جو شرائط رویت کے ہین وہ تمام اجزا مین پائے جاتے ہین۔

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہین جنھون نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور بیسیون دور از کار باتون کا معتقد بنا دیا ہے۔

لیکن اشاعرہ ظاہر بین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے کیونکر قائل ہو سکتے تھے، امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور محققین نے اصل حقیقت پہ توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگون کا مذہب ہے کہ شریعت مین جن

چیزون کا ذکر ہے اُن کی دو قسمین ہین، محسوسات عام۔ غیر محسوسات عام۔ رویت احساس اور تجربہ یہ تمام چیزین صرف محسوسات عام سے متعلق ہین، غیر محسوسات کو ان چیزون سے واسطہ نہین لیکن باایں ہمہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہین کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو خارج مین وجود یا محسوس عام نہ ہو، وہ واقع مین بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہین۔

روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے

لیکن چونکہ حقائق واقعیہ کے لیے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لیے محققین اسلام نے اس کے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو وجود حسّی سے تعبیر کرتے ہین اور اسکی تعریف جیسا کہ ہم تاویل کی بحث مین اُنکی اصلی عبارت نقل کر آئے ہین، یہ لکھتے ہین کہ یہ وجود صرف خاص شخص کے حاسہ سے تعلق رکھتا ہے۔

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرئی ہوتے تھے حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت مین دیکھا تھا، امام صاحب سب کو اسی وجود کے تحت مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ تاویل کی بحث مین، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم نقل کر آئے ہین۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ مین امام صاحب نے معجزات کی بحث مین اس وجود کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین۔

اِنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَصِيْرُ مُشَاهِدًا مَحْسُوْسًا عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ وَهٰذِهٖ خَاصَّةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَمَا اَنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَتَمَثَّلُ فِي الْمَنَامِ لِغَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَكَلَامًا فَالْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَرَوْنَ ذٰلِكَ فِي الْيَقْظَةِ وَيُخَاطِبُهُمْ هٰذِهٖ	زبان حال، بطور تمثیل کے، مشاہد اور محسوس بنجاتی ہے اور یہ انبیا اور رُسُل کا خاصہ ہے، جس طرح کہ خواب کی حالت مین زبان حال عام لوگون کے لیے متمثل ہوجاتی ہے تو وہ لوگ آوازین اور باتین سُنتے ہین، تو انبیا علیہم السلام، ان چیزون کو بیداری کی حالت مین دیکھتے ہین، اور یہ چیزین اُن سے بیداری کی حالت

الاشیاءِ فِی الیقظۃِ — مین خطاب کرتی ہون

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہین - چنانچہ الغزالی مین ہم نے امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کیے ہین

شیخ الاشراق کا مذہب

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے، جسکو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہین، ان کا استدلال یہ ہے کہ قوت متخیلہ مین یا آئینہ مین جو صورتین نظر آتی ہین، وہ درحقیقت متخیلہ اور آئینہ مین موجود نہین ہین، بلکہ یہ چیزین اُن کے ظہور کا ایک آلہ ہین اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ وہ واقعی چیزین ہین اس لیے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہان ان صورتون کا اصلی وجود ہے، شیخ الاشراق جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم مین شمار کرتے ہین، ان کے نزدیک حشر اجساد، اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم مین داخل ہے چنانچہ حکمۃ الاشراق مین عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وبہ تتحقق بعثُ الاجسادِ والاشباحِ الربانیۃِ وجمیعُ مواعیدِ النبوۃِ	قیامت مین اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے، اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہین-

اسی کتاب مین ایک اور موقع پر لکھتے ہین -

وما یسمعُ المکاشفونَ کالانبیاءِ والاولیاءِ من الاصواتِ الھائلۃِ لا یجوزُ ان یقالَ انہٗ تموجُ ھواءٍ فی دماغٍ فانَّ الھواءَ المتموجَ بتلکَ القوۃِ لمثلِھا فی الدماغِ لا یتصورُ بل ھو مثالُ الصوتِ ای الموجودُ فی عالمِ المثالِ	اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو مہیب آوازین سنتے ہین، ان کی نسبت یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ دماغ مین ہوا کے تموج سے پیدا ہوتے ہین، کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرا سکے، خیال مین نہین آ سکتا بلکہ وہ اس آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال مین موجود ہے

ایک اور موقع پر لکھتے ہین -

لہ اس عبارت مین جو تفسیری جملے ہین شرح حکمۃ الاشراق کے ہین-

وَمَا يَتَلَقَّى الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَإِنَّهَا قَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي أَسْطُرٍ مَكْتُوبَةٍ وَقَدْ تَرِدُ بِسَمَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُونُ لَذِيذًا وَقَدْ يَكُونُ هَائِلًا وَقَدْ يُشَاهِدُونَ صُوَرَ الْكَائِنَاتِ وَقَدْ يَرَوْنَ صُوَرًا حَسَنَةً إِنْسَانِيَّةً تُخَاطِبُهُمْ فِي غَايَةِ الْحُسْنِ فَتُنَاجِيهِمْ بِالْغَيْبِ وَقَدْ تُرَى الصُّوَرُ الَّتِي تُخَاطِبُ كَالتَّمَاثِيلِ الصَّنَاعِيَّةِ فِي غَايَةِ اللُّطْفِ وَقَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي خُطْرَةٍ وَقَدْ يَرَوْنَ مُثُلًا مُعَلَّقَةً وَجَمِيعَ مَا يُرَى فِي الْمَنَامِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبُحُورِ وَالْأَرَضِينَ وَالْأَصْوَاتِ الْعَظِيمَةِ وَالِاسْتِمَاعِ مِنْ كُلِّ مِثْلٍ قَائِمَةٍ

اور پیغمبروں کو اور اولیاء کو عالم غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطروں میں نظر آتی ہیں۔ کبھی آواز کی صورت میں جو کبھی لذیذ ہوتی ہے اور کبھی مہیب اور کبھی وہ لوگ کائنات کی صورتیں دیکھتے ہیں جو اُن سے نہایت لطف کے ساتھ خطاب کرتی ہیں اور اُنسے غیب کی باتیں کہتی ہیں اور کبھی وہ صورتیں جو خطاب کرتی ہیں نہایت لطیف صنعتی پیکروں میں نظر آتی ہیں اور کبھی پُرخطر معلوم ہوتی ہیں اور کبھی وہ لوگ معلق مثالیں دیکھتے ہیں، اور جو کچھ خواب میں پہاڑ۔ دریا۔ زمین سخت آوازیں، اور اشخاص نظر آتے ہیں یہ سب مثالی صورتیں ہیں جو بذات خود قائم ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انھوں نے اُن نصوص کو جن میں اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالے گا اس کو مجبوراً تین باتوں سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے" (شاہ صاحب اس عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہیں) یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے گو اس کے حاسہ سے باہر اس کا وجود نہیں یا یہ کہ یہ واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہیں ان احتمالات کو لکھ کر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، میں اس کو اہل حق سے نہیں سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے علماء دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کرلیں تو بڑا مرحلہ طے ہوجائے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اُٹھے کہ۔

شکر ایزد کہ میان من او صلح فتاد

بہرحال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔

باب ذكر عالم المثال

اِعْلَمْ اَنَّهٗ دَلَّتْ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ عَلٰى اَنَّ
فِي الْوُجُوْدِ عَالَمًا غَيْرَ عُنْصُرِيٍّ تَتَمَثَّلُ فِيْهِ
الْمَعَانِيْ بِاَجْسَامٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِي الصِّفَةِ
وَتَتَحَقَّقُ هُنَالِكَ الْاَشْيَاءُ قَبْلَ وُجُوْدِهَا
فِي الْاَرْضِ نَحْوًا مِنَ التَّحَقُّقِ فَاِذَا وُجِدَتْ
كَانَتْ هِيَ هِيَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِيْ هُوَ
هُوَ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْاَشْيَاءِ مِمَّا لَا جِسْمَ
لَهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ وَلَا
يَرَاهَا جَمِيْعُ النَّاسِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الرَّحِمَ
قَامَتْ فَقَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ
الْقَطِيْعَةِ وَقَالَ اِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ تَاْتِيَانِ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ
فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَهْلِهِمَا
وَقَالَ تَجِيْءُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ
ثُمَّ تَجِيْءُ الصَّدَقَةُ ثُمَّ يَجِيْءُ الصِّيَامُ الْحَدِيْثَ
وَقَالَ اِنَّ الْمَعْرُوْفَ وَالْمُنْكَرَ لَخَلِيْقَتَانِ
تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَمَّا
الْمَعْرُوْفُ فَيُبَشِّرُ اَهْلَهٗ وَاَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُوْلُ اِلَيْكُمْ
اِلَيْكُمْ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهٗ اِلَّا لُزُوْمًا وَ

عالم مثال کا ذکر

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ
عالم موجودات مین ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر عنصری ہے
اور جسمین معانی اُن اجسام کی صورت مین متشکل ہوتے
ہین جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہین، پہلے اس
عالم مین اشیا کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا مین انکا
وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل
اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔ اکثر وہ اشیاء
جو عوام کے نزدیک جسم نہین رکھتین اس عالم مین منتقل
ہوتی ہین اور اُترتی ہین اور عام لوگ انکو نہین دیکھتے
آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو
پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا
ہے، اور آنحضرت نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران
قیامت مین بادل، یا سائبان، یا صف بستہ پرندونکی
شکل مین آئینگی اور اُن لوگون کی طرف سے وکالت کرینگی
جنھون نے اُنکی تلاوت کی ہے، اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ
قیامت مین اعمال حاضر ہونگے تو پہلے نماز آئے گی پھر خیرات پھر
روزہ الخ، اور آنحضرت نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق
ہین جو قیامت مین لوگون کے سامنے کھڑی کیجائینگی سو
نیکی- نیکی والون کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والون کو

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَبْعَثُ الْاَیَّامَ یَوْمَ
الْقِیٰمَۃِ کَھَیْئَتِھَا وَیَبْعَثُ الْجُمُعَۃَ زَھْرَاءَ
مُنِیْرَۃً وَقَالَ یُؤْتٰی بِالدُّنْیَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
فِیْ صُوْرَۃِ عَجُوْزٍ شَمْطَاءَ زَرْقَاءَ اَنْیَابُھَا
مُشَوَّھَۃٌ خَلْقُھَا وَقَالَ ھَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی
فَاِنِّیْ لَاَرٰی مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ
کَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ وَقَالَ فِیْ
حَدِیْثِ الْاِسْرَاءِ فَاِذَا اَرْبَعَۃُ اَنْھَارٍ
نَھْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَھْرَانِ ظَاھِرَانِ
فَقُلْتُ مَا ھٰذَا یَا جِبْرِیْلُ قَالَ اَمَّا
الْبَاطِنَانِ فَفِی الْجَنَّۃِ وَاَمَّا الظَّاھِرَانِ
فَالنِّیْلُ وَالْفُرَاتُ وَقَالَ فِیْ حَدِیْثِ
صَلٰوۃِ الْکُسُوْفِ مُثِّلَتْ لِیَ الْجَنَّۃُ
وَالنَّارُ وَفِیْ لَفْظٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَ جِدَارِ
الْقِبْلَۃِ وَفِیْہِ اَنَّہٗ بَسَطَ یَدَہٗ لِیَتَنَاوَلَ
عُنْقُوْدًا مِّنَ الْجَنَّۃِ وَاَنَّہٗ تَکَعْکَعَ
مِنَ النَّارِ وَلَفَحَہٗ مِنْ حَرِّھَا وَرَاٰی
فِیْھَا سَارِقَ الْحَجِیْجِ وَالْاِمْرَاَۃَ الَّتِیْ
رَبَطَتِ الْھِرَّۃَ حَتّٰی مَاتَتْ وَرَاٰی فِی الْجَنَّۃِ
امْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً سَقَتِ الْکَلْبَ وَمَعْلُوْمٌ
اَنَّ تِلْکَ الْمَسَافَۃَ لَا تَسَعُ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ

کیے گی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے پہلے ہی پہنچیں گے اور آنحضرت
نے فرمایا ہے کہ قیامت میں بعد جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں
حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئے گا - اور
آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت
میں لائی جائے گی جسکے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بدنما
ہوگی - اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی
دیکھتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمھارے گھروں پر اسطرح
برس رہے ہیں جس طرح بادل کے قطرے - اور آنحضرت نے
معراج کی حدیث میں فرمایا کہ اچانک چار نہریں نظر آئیں،
دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ
کیا ہے، بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور دریا ہری نیل
اور فرات ہیں اور آنحضرت نے کسوف کی نماز کے متعلق فرمایا
کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کرکے لائی گئیں اور
ایک روایت میں ہے کہ میری اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں
بہشت و دوزخ مجسم ہوکر آئیں - میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت کے
انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے
رک گیا - اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے حاجیوں کے چور کو اور
ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جسنے ایک بلی کو باندھ رکھا
تھا اور ایک نیک عورت کو بہشت میں دیکھا جسنے کتے کو پانی
پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت، جو
عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اسقدر مسافت میں

بِاَجْسَادٍ مِمَّا الْمَعْلُوْمَةِ عِنْدَ الْعَامَّةِ
وَقَالَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ
وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ
ثُمَّ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِمَا وَقَالَ
يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيَتَعَالَجُهَا الدُّعَاءُ وَقَالَ
خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ
وَقَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ وَقَالَ هٰذَانِ
كِتَابَانِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ
يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَاَنَّهٗ كَبْشٌ فَيُذْبَحُ
بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَقَالَ تَعَالٰى
فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيْثِ
اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يَظْهَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَتَرَاءٰى لَهٗ فَيُكَلِّمُهٗ وَلَا يَرَاهُ
سَائِرُ النَّاسِ وَاَنَّ الْقَبْرَ يُفْسَحُ سَبْعِيْنَ
ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ اَوْ يَضُمُّ حَتّٰى تَخْتَلِفَ
اَضْلَاعُ الْمَقْبُوْرِ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ
عَلَى الْمَقْبُوْرِ فَتَسْاَلُهٗ وَاَنَّ عَمَلَهٗ يَتَمَثَّلُ
لَهٗ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ اِلَى الْمُحْتَضَرِ
بِاَنْسِبَتِهِمَا الْحَرِيْرِ اَوِ الْمِسْحِ
وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَضْرِبُ الْمَقْبُوْرَ بِمِطْرَقَةٍ

کعبہ کی چار دیواری میں نہیں سما سکتی۔ اور حدیث میں
ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے
چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔
پھر جبرئیل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں، اور حدیث
میں ہے کہ بلا اترتی ہے تو دعا اسکا توڑ کرتی ہے اور حدیث
میں ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث
میں ہے کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے
ہیں الخ اور حدیث میں ہے کہ موت ایک مینڈھے کی شکل میں
لائی جائے گی، اور پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان
ذبح کردی جائے گی۔
اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے اپنی روح (مرہم) کے پاس بھیجی تو وہ
ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی اور یہ
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل آنحضرت کے سامنے آتے
تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے۔ اور کوئی انکو نہیں دیکھتا تھا
اور حدیث میں ہے کہ قبر ستر ذراع در ستر ذراع چوڑی ہو جاتی ہے،
یا اسقدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھرکس ہو جاتی
ہیں اور حدیث میں ہے کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور
مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل مجسم ہوکر اسکے
سامنے آتا ہے اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا
لیکر آتے ہیں اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں

حتى يصيح صيحة يسمعها ما بين
المشرق والمغرب وقال النبي صلى الله
عليه وسلم ليسلط على الكافر في قبره
تسعة وتسعون تنينا تنهشه وتلدغه
حتى تقوم الساعة وقال اذا دخل الميت
القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس
يمسح عينيه ويقول دعوني اصلي واستفاض
في الحديث ان الله تعالى يتجلى بصور كثيرة
لاهل الموقف وان النبي صلى الله عليه
وسلم يدخل على ربه وهو على كرسيه
وان الله تعالى يكلم ابن آدم شفاها الى
غير ذلك مما لا يحصى كثرة والناظر في
هذه الاحاديث بين احدى ثلث اما
ان يقرر بظاهرها فيضطر الى اثبات عالم
ذكرنا شأنه وهذه هي التي يقتضيها
قاعدة اهل الحديث
نبه على ذلك السيوطي رحمه الله تعالى
وبها اقول واليها اذهب او يقول
ان هذه الوقائع تتراءى لبعض الرائي
وتتمثل له في بصره وان لم تكن خارج
حسه وقال بنظير ذلك عبد الله ابن

مردہ شور کرتا ہے اور اسکے شور کی آواز مشرق سے مغرب
تک کی چیزیں سنتی ہیں، اور حدیث میں ہے کہ قبر میں کافر
کے اوپر ننانوے اژدہے مسلط ہوتے ہیں جو اسکو کاٹتے
ہیں تا بہ قیامت۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مردہ قبر میں آتا ہے
تو اسکو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے، وہ اٹھ بیٹھتا ہے
اور کہتا ہے کہ ٹھہرو میں نماز پڑھ لوں۔ اور حدیث میں اکثر
جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں
لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا۔ اور آنحضرت خدا کے پاس
اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور
یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات چیت کرے گا۔ اس
قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جنکا شمار نہیں ہوسکتا،
ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا، تین باتوں سے ایک نہ ایک
بات اس کو ماننی پڑے گی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور
اس صورت میں اسکو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑیگا،
جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت
وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے چنانچہ
سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے
اور یہی مذہب ہے۔ یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے
کے حاسہ میں واقعات کی یہ شکل ہوگی، اور اس کی نظر
میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے، گو اسکے حاسہ سے باہر انکا وجود
نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اس دن

مَسْعُوْدٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ اَنَّهُمْ اَصَابَهُمْ جَدْبٌ فَكَانَ اَحَدُهُمْ يَنْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ فَيَرٰى كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوْعِ وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُوْنَ اَنَّ كُلَّ حَدِيْثٍ جَاءَ فِي النُّقْلِ وَالرُّؤْيَةِ فِي الْحَشْرِ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُ يُغَيِّرُ اَبْصَارَ خَلْقِهٖ فَيَرَوْنَهٗ نَازِلًا مُتَجَلِّيًا وَيُنَاجِيْ خَلْقَهٗ وَيُخَاطِبُهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ عَظَمَتِهٖ وَلَا مُنْتَقِلٍ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَوْ يَجْعَلُهَا تَمْثِيْلًا لِتَفْهَمَ مَعَانٍ اُخْرٰى وَلَسْتُ اَرَى الْمُقْتَصِرَ عَلَى الثَّالِثَةِ مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ

دھوان بن کر آئیگا، اسکے معنی حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اسی کے قریب قریب لیے ہین، یعنی یہ کہ لوگو پر قحط پڑا تھا تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوک کیوجہ سے آسمان دھوان سا معلوم ہوتا تھا، ابن الجشون (مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثون مین خدا کے اُترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے اُنکے معنی یہ ہین کہ خدا مخلوقات کی نظرین ایسا تغیر پیدا کریگا کہ وہ خدا کو ایسی حالت مین دیکھین گے کہ وہ اُترتا ہے اور تجلی کر رہا ہے، اور اپنے بندون سے گفتگو و خطاب کر رہا ہے حالانکہ خدا کی جو شان ہے نہ اسمین تغیر ہوگا نہ خدا منتقل ہوگا، اور یہ اسلیے ہوگا کہ لوگ جان لین کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتین بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہین جن سے اور مطالب کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے مین اسکو اہل حق مین سے شمار نہین کرتا۔

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہین جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ مین قرار دیتے ہین اور اس کا نام برزخ رکھتے ہین چنانچہ وحی۔ رویت ملائکہ۔ معراج نبوی براق، سدرۃ المنتہی انہار جنت وغیرہ وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہے، حجۃ اللہ البالغہ مین جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے[1] وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سُنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

[1] از صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۷۔

أما الصلصلة فحقيقتها أن الحواس إذا صدمها تأثير قوي تشوشت فتشويش قوة البصر أن ترى ألوان الحمرة والصفرة والخضرة وتشويش قوة السمع أن تسمع أصواتا مبهمة كالطنين والصلصلة والهمهمة فإذا تم الأثر حصل العلم وأما التمثل فهو في موطن يجتمع بعض أحكام المثال والشهادة ولذلك كان يرى الملك بعضهم دون بعض۔

باقی صلصلہ (گھنٹے کی آواز) تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہونچتا ہے تو وہ مشوش ہو جاتا ہے تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہے کہ سرخ۔ زرد سبز رنگ نظر آئیں۔ اور قوت سمع کی تشویش یہ ہے کہ مبہم آوازیں سننے میں آئیں۔ مثلاً طنین صلصلہ۔ ہمہمہ۔ پھر جب اثر پورا ہو چکتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ باقی فرشتہ کا مجسم بن کر آنا تو یہ اس عالم کی بات ہے جس میں عالم مثال اور عالم شہادت کے بعض آثار مجتمع ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فرشتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہیں۔

پھر معراج کے متعلق لکھتے ہیں۔

وكل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لأحكامهما فظهر على الجسد أحكام الروح وتمثل الروح والمعاني الروحية أجسادا ولذلك بان لكل واقعة من تلك الوقائع تعبير وكذلك ظهر لحزقيل وموسى وغيرهما عليهم السلام نحو من تلك الوقائع وكذلك لأولياء الأمة

اور یہ سب واقعات آپ کے جسم پر بحالت بیداری میں گذرے لیکن اس عالم میں جو مثال اور شہادت کے بیچ بیچ میں ہے اور دونوں کے آثار کا جامع ہے، تو جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے، اور روح اور روحانی باتیں مجسم بنکر نظر آئیں اور اسی وجہ سے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی الگ تعبیر ظاہر ہوئی اور حزقیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہیں

اس کے بعد ان ہی اصول پر شاہ صاحب نے۔ براق۔ ملاقات انبیا۔ عروج افلاک۔ سدرۃ المنتہی بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسی قدر غلط بحث ہو گیا ہے انھوں نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات و استعارات

کو بھی عالم مثال مین داخل کر لیا ہے۔ مثلاً یہ حدیث کہ قیامت مین موت مینڈھے کی صورت مین آئے گی اور ذبح کر دی جائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہین، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار دیتے ہین۔

امام غزالی۔ شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان مین جو جزئی تفاوت ہے اُس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت مین جو امور بظاہر خلاف عقل ہین اُن کی حسب ذیل قسمین ہین۔

شریعت میں جو امور خلاف عقل ہیں انکی اقسام

(۱) اکثر جگہ محض مجاز و استعارہ ہے۔ مثلاً جمادات کی تسبیح، آسمان و زمین سے خطاب اور ان کا جواب۔ ازل مین بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور یہ طریقہ تمام مذاہب مین مشترک ہے، انسان صرف اُن چیزون کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے حواس سے محسوس کی ہون اسلیے جب ان چیزون کا بیان کرنا ہوگا جو آیندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہین اور اُسکے تصور سے بالکل بالاتر ہین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا جائے۔ مثلاً موت کے بعد جو راحت و رنج ہوگا اس کو سمجھا سکے کہ باغ و انہار، اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے، علامہ ابن تیمیہ ٹھیٹ ظاہری ہین لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ۔

ثُمَّ اِنَّ اللّٰہَ سبحانہٗ وَتعالیٰ اَخبَرَنا بِمَا وَعَدَنَا بِہٖ فِی الدَّارِ الآخِرَۃِ مِنَ النَّعِیمِ وَالعَذَابِ اَخبَرَنَا بِمَا یُوکَلُ وَیُشرَبُ وَیُنکِحُ وَیُفرَشُ وَغَیرَ ذٰلِکَ فَلَولَا مَعرِفَتُنَا بِمَا یُشبِہُہٗ فِی الدُّنیَا لَمْ نَفہَمْ مَا وَعَدَنَا بِہٖ وَنَحنُ نَعلَمُ مَعَ ذٰلِکَ اَنَّ تِلکَ الحَقَائِقَ لَیسَت مِثلَ ھٰذِہٖ حَتّٰی قَالَ ابنُ عَبَّاسٍ لَیسَ

پھر خدا ے پاک نے ہم کو اُس آرام اور رنج کی خبر دی جس کا قیامت مین وعدہ کیا ہے اور وہ اس طرح کہ طعام۔ شراب۔ ازواج۔ اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزون سے ہم دنیا مین واقف نہ ہو چکے ہوتے تو ان موعود چیزون کو کیونکر سمجھ سکتے تاہم ہم یہ بھی جانتے ہین کہ یہ چیزین دنیاوی چیزون کے مانند نہین ہین، یہانتک کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ دنیا اور

ﻟﮧ رسالہ شرح حدیث نزول۔

فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ اِلَّا الْاَسْمَاءُ — آخرت کی چیزون مین۔ نام کے سوا اور کسی چیز مین مشارکت نہین۔

مولانا روم نے جنسے بڑھ کر شریعت کا رازدان، کون ہوگا، اس مضمون کو مختلف موقعون پر نہایت عمدہ مثالون کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہین۔

ہیچ ماہیات اوصاف کمال — کس نداند جز بہ آثار و مثال
طفل ماہیت نداند طمث را — جز کہ گوئی ہست چون حلوا ترا
طفل را تبود ز وطی زن خبر — جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر
کے بود ماہیت ذوق جماع — مثل ماہیات حلوا۔ اے مطاع
لیک نسبت کرد از روے خوشی — با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہین کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان مین باتین کرنی پڑتی ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

بہر طفل نو۔ پدر "تی تی" کند — گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
کم نہ گردد فضل استاد از علو — گر "الف چیزے ندارد" گوید او
از پئے تعلیم آن بستہ دہن — گوید او "خطی" دہوز کلمن
در زبان او بباید آمدن — از زبان خود برون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چون کہ با کودک سر وکارت فتاد — ہم زبان کودکان باید کشاد
کہ برو کتاب۔ تا مرغت خرم — یا مویز و جوز و فستق آورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہین جو انبیا کو جسمانی صورت مین محسوس ہوتی ہین، یہی چیز ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہیں اور امام غزالی اسکا نام تمثل خیالی رکھتے ہین۔ اور چونکہ یہی صورت کثیر الوقوع ہے

ل یعنی الف خالی، ب کے پیٹ مین ایک نقطہ

اور چونکہ ملاحدہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لیے ہم اس کو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہین۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفۂ حال کے رو سے اس احتمال پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا تمثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "معانی متمثل ہوکر نظر آتے ہین اور آوازین اور باتین سنائی دیتی ہین جیسا کہ خواب مین ہوتا ہے" خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ خواب مین یہ حالت کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب مین حواس ظاہری معطل ہوتے ہین اور روح یا نفس، یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق اور محویت کی وجہ سے بیداری مین بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ ان محسوسات کو ہم محسوساتِ عام نہین کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ اورون کو بھی محسوس ہون، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیاء کے حواس کے ساتھ مخصوص ہین اور اس صورت مین ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہین، اسی نکتہ کو مولانا روم نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے۔

فلسفی کو منکرِ حنانہ است — از حواسِ انبیا بیگانہ است
نطقِ خاک و نطقِ آب و نطقِ گل — ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس مین ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے، اس لیے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہین، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین۔

مقاصد المراصد مین ہے

لہ جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ سفینہ راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۱۶)

في الرؤيا والوحي والإلهامات والمعجزات والكرامات على رأي الحكماء[1]

وحی اور الہام وغیرہ کی حقیقت حکماء اسلام کی رائے کے موافق۔

واعلم أن الإنسان له قوة تجتمع فيه صور المحسوسات لأنه يحكم على هذا الحلو بأنه أبيض ولو لم يكن له قوة تجتمع فيها هذه المحسوسات لاستحال هذا الحكم لأن حضور المحكوم عليه والمحكوم به لا بد منه وتسمى هذه القوة بالحس المشترك وينطبع فيها صور المحسوسات بطريقين.

جاننا چاہیے کہ انسان میں ایک قوت ہے جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ انسان شیرینی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ سفید ہے، تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہیں جس میں محسوسات جمع ہوتے ہیں تو یہ حکم کیونکر دے سکتا کیونکہ جب کوئی حکم دیا جائے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے اس قوت کا نام حس مشترک ہے، اسمیں محسوسات کی صورت دو طریقے سے منقش ہوتی ہے۔

أحدهما أن الحواس الظاهرة التي هي السمع والبصر والشم والذوق واللمس تأخذ صورة المحسوسات وتؤديها إلى الحس المشترك والثاني أن في الدماغ قوة متخيلة من شأنها تركيب الصور وتفصيلها وهي التي تركب رأسين على بدن إنسان حتى تحصل صورة إنسان ذي رأسين وتفصل رأس الإنسان عن بدنه حتى تحصل تصور إنسان عديم الرأس وهذه إذا ركبت من الصور صورة وردت على الحس المشترك تصير مشاهدة بحسب مشاهدة الصور الخارجية لأن الصور التي في الخارج لم تكن مشاهدة لكونها خارجية بل لكونها منطبعة في الحس المشترك

ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ باصرہ شامہ، ذائقہ لامسہ محسوسات کی صورتیں لیکر حس مشترک کے پاس پہنچادیتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے اسکا کام یہ ہے کہ صورتوں کو ترکیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہے کہ ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہے یہانتک کہ ایک ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہے جس کے دو سر ہیں اور اسی کا کام ہے کہ انسان کے سر کو جدا کردیتی ہے یہانتک کہ ایک ایسا انسان متشکل ہوجاتا ہے جس کے سر نہیں، یہ قوت جب صورتوں کو ترکیب دے کر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہے تو وہ صورتیں نظر آنے لگتی ہیں جس طرح کہ خارجی صورتیں نظر آتی ہیں، کیونکہ خارجی صورتوں کے نظر آنے کی یہ وجہ نہیں کہ خارج میں موجود ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حس مشترک میں منقش ہیں

---

[1] حکماے اسلام مراد ہیں۔

فتلك الصورة التي ركبتها اذا وردت على
الحس المشترك صارت مشاهدة واذا ثبتت
هذا فنقول ان الصورة التي يراها
النائمون اما ان تكون موجودة
في الخارج او لا والاول باطل
والا لرآها كل من كان سليم الحس
وحيث لم يرها دل على انها من تركيب القوة
المتخيلة وهذه القوة لو خليت وطبعها
لصدر عنها هذا الفعل دائما وانما لا يصدر
منها هذا الفعل لامرين احدهما اشتغال
الحس المشترك بالصور الواردة عليه من
خارج والثاني تسلط النفس الناطقة عليها
بضبط فاذا زال المانعان او احدهما
صدر عنها هذا الفعل والمانع الاول
يزول بالنوم فان الحواس اذا تعطلت
بالنوم بقي الحس المشترك خاليا عن
الصور الواردة عليه من خارج والمانع
الثاني يزول بالمرض فان النفس في حالة
المرض تكون مشغولة بجهته فتتسلط المتخيلة
على تركيب الصور وتنطبع تلك الصور
في الحس المشترك فتصير مشاهدة

تو یہ صورتیں جن کو قوت متخیلہ نے ترکیب دیا ہے جب
حس مشترک کے سامنے آتی ہیں تو نظر آنے لگتی ہیں اور
جب یہ ثابت ہوا، تو ہم یہ کہتے ہیں (یعنی اب اصل مقصد کو
ثابت کرتے ہیں) کہ خواب میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ
دو حالت سے خالی نہیں، یا خارج میں موجود ہیں یا نہیں پہلا
احتمال باطل ہے کیونکہ خارج میں موجود ہوتیں تو ہر صحیح الحواس
آدمی کو نظر آتیں اسلیے معلوم ہوا کہ خارج میں موجود نہیں،
بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہیں، قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پہ
رہنے پائے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزیں
مانع ہوجاتی ہیں ایک یہ کہ حس مشترک اُن صورتوں کے
قبول کرنے میں مشغول ہوجاتا ہے جو باہر سے آتی رہتی ہیں
دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ قوت متخیلہ کو دبالیتا ہے۔ تو
جب یہ دونو مانع یا ایک زائل ہوجاتا ہے تو قوت متخیلہ
سے وہ فعل سرزد ہونے لگتا ہے۔ پہلا مانع نیند کی حالت
میں زائل ہوجاتا ہے کیونکہ جب نیند کی وجہ سے
حواس معطل ہوجاتے ہیں تو حس مشترک خارجی صورتوں
سے خالی ہوجاتا ہے۔ دوسرا مانع بیماری کی حالت
میں زائل ہوجاتا ہے کیونکہ بیماری کی حالت میں
نفس مرض کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اس حالت
میں قوت متخیلہ صورتوں کو ترکیب دینے لگتی ہے اور
یہ صورتیں حس مشترک میں آکر مشاہدہ ہوجاتی ہیں

وَاَمَّا الْوَحْيُ وَالْاِلْهَامُ

فالنفس الناطقة اذا كانت قوية بحيث لم يكن اشتغالها بالبدن مانعا من الاتصال بالمبادي القدسية وكانت المتخيلة قوية بحيث تقوى على استخلاص الحس المشترك عن الحواس الظاهرة اتصلت حالة اليقظة بالعقول المجردة والنفوس السماوية وتحصل لها ادراك المغيبات على وجه كلي ثم المتخيلة تحاكيها بصورة جزئية مناسبة لها وتنزل الى الحس المشترك فتصير متشاهدة محسوسة وقد يعرض لبعضهم ان يسمع كلاما منظوما او يشاهد شخصا بهيا يخاطبه بكلام منظوم فيما يتعلق باحواله او احوال من يقرب منه

باقی وحی اور الہام، تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قوی ہوتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے مبادی قدسیہ سے متصل ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت متخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہے کہ حس مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ، بیداری کی حالت مین بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اسکو غیب کی باتون کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہے پھر قوت متخیلہ اُسکے مشابہ ایک جزئی صورت پیدا کر لیتی ہے۔ یہ صورت حس مشترک مین اُتر کر مشاہد اور محسوس ہو جاتی ہے اور بعضون کو یہ پیش آتا ہے کہ وہ مسلسل کلام سُنتے ہیں یا کوئی اچھی صورت دیکھتے ہیں جو اُنسے مسلسل الفاظ کے ذریعہ سے باتین کرتی ہے یہ باتیں یا خود انھی کے متعلق ہوتی ہین یا انکے تعلقات کے متعلق

امام غزالی کی کتاب معارج القدس میں وحی کی حقیقت

امام غزالی نے معارج القدس مین نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس مین ایک فصل نبوت کے خواص مین لکھی ہے، چنانچہ لکھتے ہین۔

بیان خواص النبوة۔

نبوت کے خواص کا بیان۔

ولها خواص ثلث۔ احدها تابعة لقوة التخيل والعقل العملي۔

نبوت کے تین خاصے ہین۔ ایک خاصہ قوت تخیل اور قوت عقلی عملی کا تابع ہے۔

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مین سے جو عبارت یہان درج کے قابل ہے حسب ذیل ہے۔

ثم ان المتخيلة تفعل مثل ما تفعل في حال الرؤيا المحتاجة الى التعبير بان تاخذ تلك الاحوال

پھر قوت متخیلہ وہی عمل کرتی ہے جو تعبیر طلب خواب کی حالت مین کرتی ہے یعنی یہ کہ ان واقعات کو لیتی ہے اور انکی نقل

وتحاكيها وتستولي على الحسّية حتى يؤثر ما تخيل
فيها من آثار في قوة بنطاسيا بأن ينطبع الصور
الحاصلة فيها في البنطاسيا المشاركة فيشاهد
صورًا إلهية عجيبة مرئية وأقاويل إلهية
مسموعة وهي مثل تلك المدركات الوحيية
وهذا أدون درجات المعنى المسمّى بالنبوة
وأقوى من هذا أن تستثبت تلك الأحوال
والصور على هيئتها مانعة للقوة المتخيلة
عن الانصراف إلى محاكاتها بأشياء أخرى
وأقوى من هذا أن تكون المتخيلة مستمرة
في محاكاتها والعقل العملي والوهم لا يختلفان
عمّا استثبتاه فيثبت في الذاكرة مصورة ما
أخذت ويقبل المتخيلة على بنطاسيا وتحاكي فيه
فأقبلت بصورة عجيبة ومبصرة ولو أدّى كل واحد
منهما على وجهه وهذه طبقة النبوات
المتعلقة بالقوة العقلية والخيالية

اُتارتی ہے اور قوت حسّیہ پر چھا جاتی ہے یہانتک کہ تخیل
قوت حس پر اس قدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت تخیلہ میں جو صورتیں
تھیں وہ حس مشترک میں اُتر آتی ہیں تو اس حالت میں عجیب
عجیب خدائی صورتیں نظر آتی ہیں اور خدائی آوازیں سُنائی
دیتی ہیں اور وہ ایسی ہوتی ہیں جیسے کہ وحی کی مدرکات
اور یہ اُس وصف سے جس کو نبوت کہتے ہیں کمتر درجہ ہے
اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہے کہ یہ حالات اور صورتیں
اپنی ہیئت پر اسطرح قائم ہو جائیں کہ قوت متخیلہ کو یہ موقع
نہ دیں کہ وہ دوسری چیزوں کی تصویر اُتار سکے۔
اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہے کہ متخیلہ برابر اپنا کام
کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ صورتوں
سے اختلاف نہ کریں تو جو صورت متخیلہ نے قائم کی ہے وہ
حافظہ میں رہجائے گی اور قوت متخیلہ حس مشترک پر اثر کریگی
یہانتک کہ حس مشترک میں وہ عجیب صورت منقش ہو جائیگی اور ہر
ایک اپنا کام اپنے طریقہ پر کریگی اور یہ نبوت کا وہ طبقہ ہے جو
قوت عقلیہ اور خیالیہ سے متعلق ہے۔

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت پیچ دیکر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظوں میں ادا کیا ہے۔ اس مضمون کو بو علی سینا کے حوالہ سے ابو البقا نے نہایت مختصر اور جامع و مانع الفاظ میں ادا کیا ہے، چنانچہ تعریفات میں جہاں وحی کی تعریف لکھی ہے، لکھا ہے۔

سلہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی حس مشترک کے ہیں۔

فَنَحْنُ نَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ	تو ہم لوگ اشیاء کو حواس کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں اور پیغمبر
يَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ	قوی باطنی کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ اور ہم لوگ ایک چیز
وَنَحْنُ نَرَى ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرَى	دیکھتے ہیں، پھر جانتے ہیں اور پیغمبر جانتا ہے پھر دیکھتا ہے

حکیم ابو نصر فارابی، بوعلی سینا وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ہم نے ان کی تصریحات اس لیے نقل نہیں کیں کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مقتدا تسلیم نہیں کیے جاتے۔

اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہیں بلکہ مؤید ہے

یہ پانچواں معیار ہے جس کے رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ منکرین مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام مذاہب دنیاوی ترقیوں کے سدراہ ہیں، وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہیں۔

کن کن وجوہ سے مذہب کو دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہے

(۱) مذہب اعتقادیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں، ہر ہر بات میں دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہیں ہو سکتی۔ ایسے شکنجہ میں رہ کر انسان کیونکر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں نے جب ترقی کی، ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیریوں سے آزاد ہو کر کی۔

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہیں کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہیں دیتی۔

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والوں کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والوں پر انصاف کے ساتھ حکومت نہیں کی جس کی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل و خوار رہ کر تمدن اور تہذیب سے محروم رہا۔

یہ باتیں اسلام میں نہیں پائی جاتیں

عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات وقعیت سے خالی نہیں، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام ان اعتراضات کا ہدف ہو سکتا ہے یا نہیں۔

بے شبہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکنجہ مین جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ ورزیون کو مٹا دے۔ یہودیون کے ہان ایک ایک چیز مذہب کے شکنجہ مین جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشین اُٹھا دی جائین۔

قرآن مجید مین ارشاد کیا۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ	جو لوگ کہ پیغمبر اُمی کی پیروی کرتے ہین جس کا نام اپنے ہان
یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	توریت وانجیل مین لکھا ہوا پاتے ہیں وہ اُن کو اچھی بات کا
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ	حکم دیتا ہے اور بُری بات سے روکتا ہے، اور پاک چیزون کو
الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ	اُن کے لیے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزون کو اُن پر حرام کرتا ہے
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (اعراف رکوع ۱۹)	اور وہ بوجھ جو اُن پر تھے، اور وہ بیڑیان جو اُن پر تھین اُنہین اُتارتا ہے

اسلام

خوب غور کرو کہ یہودیون پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرت نے ہلکا کیا، اور اُن کے پاؤن مین کون سی بیڑیان تھین جو آپ نے اُتروا دین۔

قرآن مجید مین خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ یعنے مذہب مین غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات وسکنات کو مذہب کے دائرہ مین داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت وناقابل تعمیل مقرر کیے جائین، اسلام نے ان دونون کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگون نے یہان تک وسعت دی تھی کہ زندگی کے عیش وعشرت ناز ونعمت عمدہ خورد وپوش کو بھی اس مین داخل کر لیا تھا اور اس کو ناجائز قرار دیا تھا، اس پر قرآن مجید نے کہا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	اے پیغمبر ان سے کہ کہ خدا نے جو آرائش اور اچھے کھانے اپنے
وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ	بندون کے لیے پیدا کیے ہین ان کو کس نے حرام کیا ہے

خدا کے ان ہی احکام کی بنا پر آنحضرت نے دُنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے

بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیَاکُم یعنی دنیا کی باتیں تمھین خوب جانتے ہو

دوسرا اعتراض تو اسلام سے بہ مراحل دور ہے، اسلام کو دعوی ہے اور بجا دعوی ہے کہ اس کے احکام مذہبی نہایت نرم، آسان اور سہل العمل ہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اور خدا نے دین کے بارے مین تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی۔
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ	خدا یہ نہین چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھے بلکہ یہ چاہتا ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ (مائدہ)	کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتین تمام کردے۔
يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔	خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔	خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہین ڈالتا جتنا اسکو
(سورہ بقر)	طاقت ہے۔
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا	خدا چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے

یہ صرف دعوی نہین، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہین، مذہبی اعمال کی سختی کی متعدد صورتین ہیں۔

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہون جن کی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل مین وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام مین صرف پانچ فرائض ہیں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ حج اور زکوٰۃ دولتمندون پر محدود ہے، جہاد صرف اس وقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو، صرف دو فرض ہین جو سب کے لیے عام ہیں، نماز روزہ، روزہ سال مین ایک دفعہ ہے، وہ بھی مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیون کے لیے نہین، نماز البتہ کسی حالت مین معاف نہیں لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لیے وضو کی ضرورت نہین، گھوڑے یا جہاز کی سواری مین سمت قبلہ کی پابندی نہین، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر بیٹھکر لیٹ کر گھوڑے پر سوار ہو کر غرض ہر طرح ادا کی جا سکتی ہے سفر مین بجائے چار رکعت کے صرف دو رکعتین رہ جاتی ہین، اسکے

ادا کے لیے جو ارکان و آداب مقرر ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہیں بالاے ناف بھی، آمین پکار کر بھی کہ سکتے ہیں آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی ضرور نہیں، چنانچہ مختلف اماموں نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت چھوٹی چھوٹی قیدیں لگائی جائیں اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذاہب میں، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ توریت کے احکام سے ہو سکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام میں نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے ادا ہو سکتی ہے توراۃ میں اسکے لیے جو قیدیں مذکور ہیں انکا مختصر سا نمونہ یہ ہے "اور ہارون پاکترین مکان میں یوں آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچھڑا اور سوختنی قربانی کے لیے ایک مینڈھا لائے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن میں کتانی پاجامہ ہو، اور کتانی پٹکے سے اس کی کمر بندھی ہو اور اپنے سر پہ کتانی عمامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہیں اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انھیں پہن لے، اور بنی اسرائیل کی جماعت سے بکری کے دو بچے خطا کی قربانی کے لیے لے، اور ہارون اپنے اس بچھڑے کو جو خطا کی قربانی کے لیے اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے۔ پھر ان دونوں سلوانوں کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے اور ہارون ان دونوں سلوانوں پر قرعہ ڈالے ایک قرعہ خداوند کے لیے اور دوسرا قرعہ چھڑوے کے لیے اور ہارون اس حلوان کو جس پر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لائے اور اسے خطا کی قربانی کے لیے ذبح کرے"

اور وہ ایک عود سوز اس آگ کے انگاروں سے جو خداوند کے آگے مذبح پر ہے بھرے اور اپنی مٹھیاں بخور کے کوٹے ہوئے مصالح سے بھر کے اور اسے پردہ کے اندر لائے اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ میں ڈال دے تاکہ بخور کا دھواں کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہ ہو، پھر وہ اس بچھڑے کا لہو لے کے اپنی انگلی سے

کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی اُنگلی سے سات مرتبہ چھڑکے (توریت - احبار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندوؤں اور تمام دیگر قوموں میں پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ کوئی شخص بطور خود عبادت الٰہی ادا ہی نہیں کر سکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا موجود نہ ہو، ہندوؤں کو پنڈتوں کی ضرورت ہے۔ عیسائیوں کو پادری کی یہودیوں کو احبار کی لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہیں، وہ اپنا آپ پادری اپنا آپ پنڈت اپنا آپ احبار ہے۔

اسلام نے طریقۂ عمل کے نمونہ کے لیے اس قسم کی کوئی شرط اختیار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ قیدیں فی نفسہ ضروری نہیں، نماز کے لیے قبلہ کی سمت کا جہاں حکم دیا ساتھ ہی کہہ دیا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنے جس طرف مُنہ کرو اُسی طرف خدا کا مُنہ ہے۔ قربانی کا جہاں ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی یعنے خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب بتفصیل آگے آئے گا۔

ہمارا صرف یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے۔

اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دُنیاوی تمدن آج یورپ میں جس حد تک پہنچا ہے کبھی نہیں پہنچا تھا اسلیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہیں۔

یورپ کے تمدن کے مہمات اصول حسب ذیل عنوان میں محدود کیے جا سکتے ہیں اور دُنیا میں جب کبھی کسی قوم نے تمدن میں ترقی کی ہو گی، یا آئندہ کرے گی تو ان ہی اصول پر کی ہو گی اور کرے گی۔

ترقی تمدن کے جو اصول ہیں سب اسلام میں پائے جاتے ہیں

(۱) انسان کی تمام ترقیوں کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اُٹھائے۔

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ — ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا — تمام آسمان وزمین کی چیزون کو تمھارا مسخر کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جو آیندہ آئینگی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیون کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر وشر ترقی اور تنزل۔ عروج اور زوال کا مدار تمامتر اس کی سعی اور کوشش پر ہے اور دُنیا اور دین کی تمام کامیابیان محض اس کی کوششوں پر موقوف ہین قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی — انسان کے لیے اتنا ہی ہے جتنی اُسکی کوشش ہے

لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ (بقرہ) — انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہے اُسی کی کمائی کی بدولت ہے اور جو نقصان پہنچتا ہے اُسی کی کرتوت کی بدولت۔

وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا (انعام) — اور جو کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا قُلْتُمْ اَنّٰی هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ (آل عمران) — کیا جب جب ایسا ہوگا کہ تمپر کوئی مصیبت پڑے کہ جسکے دوچند تم پہلے پہونچا چکے ہو تو تم کہوگے کہ یہ مصیبت کہان سے آئی اے محمد! کہدے کہ یہ خود تمھاری اپنی ذات کیوجہ سے ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (انفال) — یہ اسلیے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اسکو بدلتا نہین جبتک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلین۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم) — لوگون کے کرتوت کی بدولت تمام خشکی وتری مین فساد پھیل گیا

مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (حمعسق) — تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خود تمھارے کرتوت کی بدولت

اسلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید مین جا بجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام کرلیتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ — جو لوگ ایمان لائے اور اُنھون نے کام بھی اچھے کیے خدا انکو

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ (يونس)

ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ

جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت نہین کرتا

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت)

جو لوگ ہمارے لیے جہاد کرتے ہین، ہم ان کو اپنی راہ دکھاتے ہین۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (احزاب)

مسلمانو! خدا سے ڈرو، اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمھارے اعمال کو صالح کر دے گا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ (محمد)

مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا بھی تمھاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (صف)

پھر جب لوگ کج ہوے تو خدا نے بھی انکے دلون کو کج کر دیا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد)

خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلین

ان آیتون مین خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر کیا، فلما زاغوا الخ مین بیان کیا کہ جب ان لوگون نے کجی کی تو خدا نے بھی اُن کے دلون کو کج کر دیا، یا ایہا الذین اٰمنوا مین یہ کہا کہ مسلمانو! پرہیزگاری اختیار کرو اور ٹھیک بات کہو، تو خدا تمھارے عمل صالح کر دے گا" حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کریگا تو پھر اس کے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید مین ایسی بھی بہت سی آیتین ہین جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

اور وہ اپنے بندون پر بالا دست ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون مین جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانون کا تنزل خود ان کے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کردیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا وقدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ میں سے ایک ایک شخص ہزاروں آدمیوں کے دل میں گھس جاتا تھا اور سیکڑوں کو خاک میں ملا کر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام نے انسان کو مختار کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے مختار ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خالق اور خدا کوئی چیز نہیں اس لیے انسان قادر مطلق ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن اس نے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اس لیے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اسلام نے پہلے معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن میں آیا ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ — تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک کہ خدا نہ چاہے۔

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے اگر خدا نہ چاہتا تو تم میں یہ قوت بھی نہ ہوتی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ — یعنی جو کچھ دنیا میں ہے سب کی علۃ العلل خدا ہی کی ذات ہے۔

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کی ایک ایک ادا سے واقف تھے یعنی صحابہ انھوں نے کیا سمجھا اور ان پر اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی تعلیم نے اُن کو اختیار، عزم۔ استقلال۔ اور حوصلہ کا مجسم پیکر بنا دیا تھا۔

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساوات کا اصول ہے یعنی یہ کہ تمام انسانون کے حقوق مساوی ہین۔ فلاسفر گوندرسیہ کا قول ہے کہ "حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور مُلک میں پیدا نہین ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق مہذب سے مہذب قومون کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرمون کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزائین دی جاتی تھین۔ لاروس اپنی انسائکلو پیڈیا مین لکھتا ہے کہ "رومن امپائر مین ایک ہی جرم کی سزائین مختلف ہوتی تھین یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی"۔ اسکے بعد مصنف مذکور نے اس ناانصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لے کر فرنچ تک کے واقعات گنائے ہین۔ اخیر مین لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے ہنگامہ نے یہ تمام امتیازات مٹا دیے کیونکہ اس نے خود ان القاب و خطابات کو مٹا دیا جو لوگون کی ذاتی عزت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے"

فلاسفر فرنک لکھتا ہے کہ "مساوات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قومون مین پڑی ہے اور اب دوسرے حصون مین پھیلتی جاتی ہے"

فلاسفر مذکور مساوات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام مین بارہ سو برس پہلے یہ اصول قائم ہو چکا تھا۔ قرآن مجید مین ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ	لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	کنبے اور قبیلے ٹھہرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے پہچانے
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ	جائین لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک اسلام تھا اسی اصول پر قائم رہا۔ عرب مین قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا اُس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیون کے برابر مانا جاتا تھا۔ یعنی معزز قبیلہ کے

ایک آدمی کے خون کے بدلے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کیے جاتے تھے - اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ مین آقا قتل نہین کیا جا سکتا تھا، اسلام نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دیے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر مین انھون نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی ان کو عار ہے، وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلامون کے برابر کر دیے گئے ابوسفیان جو تمام قریش کا سردار رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا جب اسلام لایا تو اس کو بلال و صہیب کا ہمرتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونون بھی زرخرید غلام تھے -

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اُس نے چاہا کہ ایک عام آدمی کے مقابلہ مین اس کی عزت مرجح تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروقؓ نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر عیسائیون سے جا کر مل گیا -

عمر فاروقؓ نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس مین داخل ہوے تو ان کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھون مین اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفۂ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لیے گھرون سے نکل آئے تھے -

اس قسم کے ہزارون واقعات ہین جن کا شمار نہین کیا جا سکتا - نتیجہ عام کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تنحّ عن الطریق (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام مین بڑے سے بڑا آدمی راہ مین کسی معمولی آدمی کو نہین کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا -

مذہبی تعصب

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک مین، ہر قوم مین

ہر سلطنت مین یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والون پر جبر کیا جاتا تھا، ان کو مذہبی آزادی نہین دی جاتی تھی۔ اُن سے نفرت اور حقارت کی جاتی تھی اور مختلف طریقون سے لوگون کو تبدیل مذہب پہ مجبور کیا جاتا تھا۔ صرف یہی نہین بلکہ اسلام سے پہلے تمام دُنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہوگئی تھی کہ جب دو شخصون مین کسی رائے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اس کا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونون مین اجنبیت پیدا ہوکر منافرت اور عداوت کی حد تک نوبت پہونچتی تھی۔

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جداگانہ قائم کیے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب مین اختلاف ہو تو اس کا اثر عام معاشرت پر نہین پڑنا چاہیے۔ والدین کے جہان حقوق بیان کیے وہان فرمایا کہ

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔	اگر وہ دونون اس بات پر زور ڈالین کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجکو علم نہین ہے (یعنی اگر والدین شرک پر مجبور کرین تو تو ان کا کہا نہ مان لیکن دُنیا مین اُنسے اچھا برتاؤ کر

پھر عام طور فرمایا۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[1]	جن لوگون نے تم سے مذہبی جنگ نہین کی اور تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا انکی نسبت خدا تمھین منع نہین کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو بے شبہ خدا انصاف کرنیوالے کو پسند کرتا ہے

اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا یعنی خدا نے انسانون کی فطرت ہی ایسی بنائی

[1] قرآن مجید مین بہت سی آیتین اس قسم کی موجود ہین جنمین یہ حکم ہے کہ غیر مذہب والون سے دوستی اور محبت نہ رکھو اور ان ہی آیتون کو ہمارے ظاہر بین علما ہر موقع پر پیش کرتے ہین لیکن وہ آیتین اُن کافرون سے مخصوص ہین جو مسلمانون سے مذہبی لڑائی رکھتے ہین چنانچہ خود خدا نے اس آیت کے بعد تصریح کردی اور فرمایا کہ انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم یعنی خدا تو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب کے بارہ مین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نکال دیا اور تمھارے نکال دینے پر اعانت کی۔

ہے کہ ان کی صورت سیرت۔ خیال۔ مذاق اور رائے مین اختلاف ہو، اس لیے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہوجائین گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے۔

اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظون مین ادا کیا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ھود)	اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمیون کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے بجز ان کے جنپر تیرے خدا کا رحم ہو اور خدا نے اسی لیے ان لوگون کو بنایا ہی ہے۔
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا	اور اگر خدا چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی مسلمان ہوجاتے
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (مائدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر متفق کردیتا۔
أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا (رعد)	کیا مسلمان مایوس نہین ہوئے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگون کو ہدایت کردیتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (حم سجدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔
وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل)	اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لاتا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (سجدہ)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کردیتے۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو بہ اقتضائے بشریت کافرون کی سرکشی اور بے پروائی گران گذرتی تھی۔ اسپر قرآن مجید مین یہ آیت اُتری۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔	اور اگر ان کی سرکشی تجھپر گران گذرتی ہے تو ممکن ہو کہ زمین کے اندر سرنگ تلاش کرو یا آسمان مین سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤ تاکہ ان کو کوئی معجزہ دکھاؤ (تو کرکے دیکھو) اور اگر خدا چاہتا تو سب کو راہ راست پر متفق کردیتا۔ تو دیکھ جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانون کی فطرت ایسی بھی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات قبول کر لیتے ہین، اس لیے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت دی اور فرمایا۔

وَادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (نحل)	لوگون کو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بلا بذریعہ حکمت کے اور بذریعہ وعظ کے اور لوگون سے بحث کر معقول طریقہ سے
فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ	لوگون کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا ہے نہ کہ داروغہ
فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (مزمل)	تو جس کے جی مین آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے
اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس)	کیا تو لوگون کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے۔

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لیے کوئی شخص کسی کے دل مین کوئی یقین، جبر اور زبردستی سے نہین پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب مین جبر کرنا بالکل بے فائدہ چیز ہے، لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ مین نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہین کہا کہ۔

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ (آل عمران)	مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہین

ڈریپر سیمان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ "مذہبی آزادی کو کچھ بہت دن نہین گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخین درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ پروری کا مجموعہ ہین" اس کے بعد فاضل مذکور نے قرون اولےٰ سے عہد وسطیٰ تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے ساتھ گنائے ہین، اخیر مین لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۱۷۸۹ء اگست ۱۷۸۹ء کو مذہبی آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود مین اُس وقت آیا جب یہودیون کو ۱۷۹۱ء مین ظلم سے نجات دی گئی، تاہم چونکہ فرنچ رومن کیتھولک کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لیے وہ مذہبی آزادی کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کر سکا۔

یہ فاضل ڈریپر سیمان جس چیز کی ابتدا ۱۷۸۹ء سے بیان کرتا ہے، اسلام میں بارہ سو برس پہلے قائم ہو چکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا

اُس نے دوسرے قوموں کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام رائے قائم کی اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق برابر قائم کیے جائیں۔ اسلام سے پہلے تمام دُنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس کی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کی ہر فرد کو من حیث القوم سلف آنر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال دلایا جائے" اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ — تم تمام قوموں سے بڑھ کر ہو۔

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ — عزت خدا کے لیے ہے اور اُسکے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے

قرن اول میں یعنی جب تک اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانوں میں اسقدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلف آنر کا خیال تھا جو مسلمانوں کے ہر قسم کے حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں، بلند خیالیوں کا باعث تھا، تاریخوں میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار میں کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

(۷) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمۂ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتیں ہیں اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لیے موجود ہے کہ اسلام دنیا میں جہاں جہاں گیا علم کو ساتھ لے کر گیا، وہ قومیں جو ازل سے جاہل اور اُمّی رہتی آئی تھیں جس دن اسلام لائیں علم و فن سے معمور ہوگئیں، عرب ابتدائے عالم سے

جاہل تھا یہان تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے ذو الرمہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُس نے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہین ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم و فنون کا مرکز بن گیا اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین وہان پیدا ہونے لگے، ترکون کی قوم ہزارون برس پہلے سے موجود تھی لیکن ان کا امتیازی وصف یہ تھا ع بتان بُرند صبر از دل که ترکان خوان یغما را۔ یہی ترک تھے جن مین اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابو نصر فارابی، اور امیر خسرو، اور سیکڑون علما و شعرا پیدا ہوے جن جن قومون نے دُنیا مین اسلام قبول کیا ان سب کا شمار کرو، اور دیکھو کہ اسلام کے قبل اُن کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہو گئی صاف نظر آئے گا کہ علم اسلام کے عنصر مین داخل تھا۔

حکومت جمہوری

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت۔ جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے اس اصول پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود آنحضرت کو اسکی پابندی کا حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور لوگون سے مشورہ کر

حالانکہ وحی و الہام ہوتے ہوے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی، مزید تاکید کے لیے مسلمانون کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

تقسیم عمل

(۹) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام مین مشغول ہو تا کہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلی درجہ تک ترقی دے سکے، یورپ مین یہ اصول یہان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبون اور حکیمون مین سے خاص خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہین اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریون کے علاج سے واسطہ نہین رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤن، سر،

دل، دماغ کے کام الگ الگ تقسیم کر دیے ہین، اسلام نے اس اصول کے طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔	اور تم مین سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ لوگون کو اچھے کام کی رغبت دلائے اچھی باتون کا حکم دے۔ بُری باتون سے روکے تمام مسلمانون کو اُٹھ کھڑا نہین ہونا چاہیے لیکن یہ تو ہونا چاہیے کہ ہر گروہ مین سے کچھ لوگ آمادہ ہون کہ مذہب مین تفقہ حاصل کرین۔
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔	

(۱۰) ہر زمانہ مین ایک گروہ ایسا آیا ہے جس کی یہ رائے ہے کہ انسانون کے افراد مین جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جائے یورپ مین انارکسٹ نہلسٹ وغیرہ اسی خیال کے لوگ ہین، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے، اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہر قسم کی ترقیان دفعۃً رک جائین۔ اسلام نے اسکا فلسفہ ان لفظون مین ادا کیا۔

انسانون کا مختلف المراتب ہونا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔	ہم نے دُنیا مین انسانون کی روزی انکے باہم تقسیم کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک کو ایک اپنے کام مین لائے۔

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دی جائے یعنی انسان ترقی کی کسی حد تک پہنچ کر قانع نہ ہو اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی ہین، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

علمی ترقی کی انتہا نہ ہونا۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا	کہہ۔ کہ اے خدا مجھکو اور زیادہ علم دے۔

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے - ابتداے عالم سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قومون نے (بجز اسلام) کے اس معیار مین غلطی کی ہے، فرقۂ اباحیہ مزدکیہ اور متبعان ایپکیورس صرف دُنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو، ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کیے اسی خیال نے دُنیا مین جوگی، تارک الدُّنیا - راہب، منک اور تنز پیدا کیے اور ان لوگون کی وہ عزت دلون مین قائم کی کہ ایک ذلیل بوریا نشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے -

فوبرباخ لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاسی زندگی تباہ کردی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دیے جائین کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار مین گھُلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشین قتل کردی جائین -

لاروس لکھتا ہے کہ زاہدون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشون کا جو اقتضا ہے اس کو بالکل مٹادین، مذہب کی تخصیص نہین فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف ہے سقراط، افلاطون، دیوجانس کلبی، ابونصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیون کی طرز زندگی سے مشابہ تھی - خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دُنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سُنتے ہین کہ دُنیا اس کی نظر مین ہیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے - نان و نمک پر بسر کرلیتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل مین اس کی وقعت قائم ہوجاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہین کرتے کہ ان باتون کے سوا اس مین کوئی اور کمال بھی ہے یا نہین -

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان مین صحیح تناسب کا قائم رکھنا اسقدر مشکل ہے کہ

یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دے کر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہین۔ ہنری برنجیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) مین لکھتا ہے: "آہ کاش کوئی ذہین شخص، مذہبی اور علمی تعصب کے نقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر مین ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج وہ کشمکش دونون مین ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دُنیا کے خیال کو مٹایا۔

رہبانیت کو مٹانا

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور جوگی پنا جس کو عیسائیون نے ایجاد کیا ہمنے اپنپر نہین
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔	لکھا تھا دنیا مین تمھارا جو حصہ ہے اُسکو بھول نہ جاؤ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ	مسلمانو! خدا نے جو اچھی چیزین تم کو حلال کی ہین انکو حرام نہ کرو
اللهُ لَكُمْ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ	اے محمد صلعم کہدے کہ خدا نے جو آرائش بندون کے لیے پیدا کی
لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ	ہے اسکو حرام کس نے کیا، اور اچھی غذا کون کو کس نے حرام کیا
يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	خدا تمھارے ساتھ آسانی کا برتاو چاہتا ہے نہ کہ سختی کا

تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہے کہ اس وسیع دُنیا سے انسان کا حصہ سد رمق کھانا اور دو گز کپڑا ہے، لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا مین جو کچھ ہے زمین دشت کوہ دریا درخت چارپائے لعل و جواہر۔ فواکہ و روائح سب اس لیے ہین کہ انسان اُس سے جائز طور پر لطف اُٹھائے۔

وَسَخَّرَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔	اور خدا نے تمھارے لیے زمین اور آسمان کی تمام چیزونکو
أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان)	مسخر کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتین ظاہری اور باطنی پوری
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	کردین اور خدا نے تمھارے لیے رات دن۔ سورج۔ چاند کو
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهٖ (نحل)	مسخر کر دیا اور ستارے بھی تمھارے تابع فرمان ہین۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَ
تَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ
فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ۔

وہی خدا ہے جس نے دریا کو اسلیے مسخر کر دیا کہ اُس سے تازہ گوشت
کھاؤ۔ اور اُس سے زیور نکالو جسکو تم پہنتے ہو اور تو کشتیونکو دیکھتا ہے
کہ پھاڑتی ہوئی چلی جا رہی ہین اور تا کہ تم خدا کا فضل (تجارت) تلاش کرو

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا
وَزِينَةً۔

اور گھوڑون اور گدھون اور خچرون کو تمھارے سواری اور
آرائش کے لیے پیدا کیا۔

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ
يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ
وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ

اور بہت سی چیزین تمھارے لیے زمین مین پیدا کین جنکے رنگ مختلف
ہین اور وہی تمھارے لیے پانی سے کھیتی زیتون۔ کھجور۔ اور
انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔

اس قسم کی سیکڑون آیتین ہین جن کا استقصا ضروری نہین۔

ان آیتون مین بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا مین جو کچھ ہے سب اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اُٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزون کو انسان کا مسخر کر دیا۔ تسخیر مین جس قسم کی تعمیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرز ادا معلوم ہوتا ہے لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہین بلکہ حقیقی معنی مقصود ہین۔ بھاپ۔ بجلی۔ الکٹرسٹی آواز وغیرہ یہ چیزین کس طرح مسخر ہو چکین، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لیے گئے

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دُنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزون کا نام ہے گو وہ ہزارون لاکھون ہین لیکن ان کو اگر اقسام مین محدود کیا جائے تو کُل تین قسمین ٹھہرین گی دولت و مال آل و اولاد۔ شہرت اور بقاے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔ تونگری اور جاہ و دولت کو اُن نعماے الٰہی مین شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیا علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کیے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

دنیا کا مرتبہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى

اور تمکو مفلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

حضرت سلیمان کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید مین نہایت شان و شوکت سے کیا اور اُسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي — خدا! مجکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کیے ان مین بڑا احسان یہ جتایا۔

إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم — تم لوگون مین پیغمبر اور بادشاہ پیدا کیے

آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ — اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت مین ہے۔

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا۔ — سو ہم نے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکومت دی اور ان کو بہت بڑا ملک دیا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ مین جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ — خدا نے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور جنھون نے اچھے کام کیے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دے گا

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہان ذکر کیا اس کی بنیادی ترقیون کا ذکر اس پیرایہ مین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیون کو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین بڑا دخل ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ — اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انکو خشکی و تری مین پہنچایا۔ اور اُن کو اچھے کھانے دیے اور ان کو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید مین خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ استقصا اور تفحص سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے،

قرآن مجید نے مال و دولت کو کس الفاظ سے یاد کیا ہے۔

۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے چنانچہ علامہ احمد بن محمد الرازی نے ان تمام مقامات کی آیتین بعینہا نقل کی ہین ہم نمونہ کے طور پر چند آیتون کو نقل کرتے ہین جن مین مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ۔ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا۔ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ۔ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِاَنْفُسِكُمْ۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل و اولاد ہے، قرآن مجید مین ایک موقع پر خدا نے اپنے خاص بندون کے امتیازی اوصاف گنائے ہین، چنانچہ ان الفاظ سے ابتدا کی ہے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا — ان اوصاف مین سے ایک وصف یہ گنایا ہے

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ — اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویون اور اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے۔

تیسری چیز شہرت اور نیکنامی ہے، اس کا احسان خدا نے خود آنحضرت صلعم پر رکھا اور فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

اخیر مین یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعون پر دولت و مال کی برائی بھی بیان کی ہے، لیکن جب دونون قسم کے موقعون کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت و مال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور بیجا صرف کی جائے، اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

ضمیمہ

بحث نبوت از مطالب عالیہ امام رازیؒ

القسم الثانی من کتاب النبوات فی تقریر القول بالنبوۃ علی طریق اخر وفیہ فصول

الفصل الاول فی تمہید ھذا الطریق عن الطریق المشہور فنقول اعلم ان القائلین بالنبوات فریقان احدھما الذین یقولون ان ظہور المعجزات علی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدل علی صدقہ ثم انا نستدل بقولہ علی تحقیق الحق وابطال الباطل وھذا القول ھو الطریق الاول وعلیہ عامۃ ارباب الملل والنحل والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولا ان الحق والصدق فی الاعتقادات ماھو؟ وان الصواب فی الاعمال ماھو؟ فاذا عرفنا ذلک نظرنا فینا انسانا یدعو الخلق الی الدین الحق ورأینا ان لقولہ اثرا قویا فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انہ نبی صادق واجب الاتباع وھذا الطریق اقرب الی العقل والشبہات فیہ اقل وتقریرہ لابد ان یکون مسبوقا بمقدمات۔

المقدمۃ الاولی اعلم ان کمال حال الانسان فی ان یعرف الحق لذاتہ والخیر لاجل العمل بہ والمراد منہ ان کمال حالہ محصور فی امرین احدھما ان تصیر قوتہ النظریۃ کاملۃ بحیث تتجلی فیھا صور الاشیاء وحقائقھا تجلیا کاملا مبرأ عن الخطأ والزلل والثانی ان تصیر قوتہ العملیۃ کاملۃ بحیث یحصل لصاحبھا ملکۃ یقتدر بھا علی الاتیان بالاعمال الصالحۃ والمراد من الاعمال الصالحۃ الاحوال التی توجب النفرۃ عن السعادات البدنیۃ وتوجب الرغبۃ فی عالم الاخرۃ[1]

[1] اس عربی عبارت کا ماحصل خاتمۂ کتاب میں بزبان اردو ادا کیا گیا ہے۔

وفى الروحانيات فقد ظهر بهذا انه لا سعادة للانسان الا بالوصول الى هاتين الحالتين وهذه المقدمة مقدمة اطبقت الانبياء على صحتها واتفق الحكماء الالهيون على حقيقتها ولا ترى فى الدنيا ما قلا كاملا لعقل الا ويساعد عليها۔

المقدمة الثانية الناس ينقسمون الى ثلثة اقسام احدها الذين يكونون ناقصين فى هذه المعارف وفى هذه الاعمال وهم عامة الخلق وجمهورهم وثانيها الذين يكونون كاملين فى هذين المقامين الا انهم لا يقدرون على علاج الناقصين وهم الاولياء وثالثها الذين يكونون كاملين فى هذين المقامين ويقدرون ايضا على معالجة الناقصين ويمكنهم السعى فى نقل الناقصين من حضيض النقصان الى اوج الكمال وهؤلاء هم الانبياء عليهم السلام وهذا تقسيم معلوم مضبوط۔

المقدمة الثالثة ان درجات النقصان والكمال فى القوة النظرية وفى القوة العملية كانها غير متناهية بحسب الشدة والضعف والكثرة والقلة وذلك ايضا معلوم بالضرورة۔

المقدمة الرابعة ان النقصان وان كان شاملا للخلق عامة فيهم الا انه لا بد وان يوجد فيهم شخص كامل بعيد عن النقصان والدليل عليه من وجوه الاول انا بينا ان الكمال والنقصان واقعان فى الخلق على مراتب مختلفة ودرجات متفاوتة ثم انا نشاهد اشخاصا بلغوا فى جانب النقصان وقلة الفهم والادراك الى حيث قربوا من البهائم والسباع فلكن لك فى جانب الكمال لا بد وان توجد اشخاص كاملة فاضلة ولا بد وان يوجد فيما بينهم شخص يكون افضلهم واكملهم وهو يكون فى اخر مراتب الانسانية واول مراتب الملكية الثانى ان الاستقراء يدل على ما ذكرناه وذلك لان الجسم العنصرى جنس تحته ثلاثة انواع المعدن والنبات والحيوان وصريح العقل يشهد بان اشرف هذه الثلاثة الحيوان واوسطها النبات وادونها المعادن ثم

نقول الحيوان جنس تحته انواع كثيرة واشرفها هو الانسان وايضا فالانسان تحته
اصناف كثيرة مثل الزنجي والهندي والرومي والعربي والافرنجي والتركي ولاشك
ان اشرف اصناف الانسان واقربهم الى الكمال سكان وسط المعمورة وهم سكان
الموضع المسمى بايران شهر ثم ان هذا الصنف من الناس مختلفون ايضا في الكمال
والنقصان ولاشك انه يحصل فيهم شخص واحد هو افضلهم واكملهم فعلى
هذا قد ثبت انه لابد وان يحصل في كل دور شخص احد هو افضلهم واكملهم في
القوة النظرية والعملية ثم ان الصوفية يسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فانه
فانه لما كان الجزء الاشرف من سكان هذا العالم الاسفل هو الانسان الذي حصلت له
القوة النظرية التي بها يستفيد الانوار القدسية من عالم الملئكة وحصلت له
القوة العملية التي بها يقدر على تدبير هذا العالم الجسماني على الطريق الاصلح
والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل الاشخاص الموجودين في
ذلك الدور كان المقصود الاصلي من كل هذا العالم العنصري وجود ذلك الشخص
ولاشك ان المقصود بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون مقصودا
بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو القطب لهذا العالم العنصري وما سواه
فكالتبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه بصاحب
الزمان ويقولون انه غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضا لانه لما كان خاليا
عن النقائص التي هي حاصلة في غيره كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضا
صاحب الزمان لانا قلنا ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان
وما سواه فكالاتباع له وهو ايضا غائب عن الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك
الشخص هو افضل هذا الدور واكملهم واقول ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضا
انه افضل اهل الدور وانه وان كان يعرف حال نفسه الا انه لا يمكنه ان يعرف

حال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضا لا يعرف نفسه فهو كما جاء في
الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قبابي لا يعرفهم غيري فثبت بهذا ان كل
دور لا بد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لا بد وان يحصل
في هذه الادوار المتلاحقة ويحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من كل اولئك
الذين كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الدور المشتمل على مثل
ذلك الشخص لا يوجد في الف سنة او اكثر او اقل الا مرة واحدة فيكون ذلك
الشخص هو الرسول المعظم والنبي المكرم وواضع الشرائع والهادي الى الحقائق
وتكون نسبته الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لا بد ان يحصل
في اصحاب الادوار انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون
ذلك الشخص بالنسبة اليه كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه
والمقرر لشريعته واما الباقون فنسبة كل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم
كنسبة كوكب من الكواكب السيارة الى الشمس واما عوام الخلق فهم بالنسبة
الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر
الكواكب فلا شك ان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتقوى بقوة
فهذا الكلام كلام معقول مرتب على هذا الاستقراء الذي يفيد القطع واليقين

المقدمة الخامسة ان ذلك الانسان هو اكمل الكاملين وافضل الفضلاء
والعلماء يكون في اخر الافق الاعلى من الانسانية وقد علمت ان اخر كل نوع
متصل باول النوع الذي هو اشرف منه والاشرف من النوع البشري هو
الملائكة فيكون اخر البشرية متصلا باول الملائكة ولما بينا ان ذلك الانسان
الموجود في اعلى مراتب البشرية وجب ان يكون متصلا باول الملائكة
ومختلطا بهم ولما كان من خواص عالم الملائكة البراءة عن العلائق الجسمانية

والاستيلاء على عالم الاجسام والاستغناء فی افعالها عن الآلات الجسمانية كان هذا الانسان موصوفاً بما يناسب هذه الصفات فيكون قليل الالتفات الى الجسمانيات قوی التصرف فيها اشد الانجذاب الى عالم الروحانيات فتكون قوته النظرية مستكملة بانواع الجلايا القدسية والمعارف الالهية وتكون قوته العملية موثرة فی اجسام هذا العالم بانواع التصرفات وذلك هو المراد من المعجزات ثم بعد الفراغ من هذين المقامين تكون قوته الروحانية موثرة فی تكميل ارواح الناقصين فی قوة النظر والعمل ولما عرفت ان النفوس الناطقة مختلفة بالماهيات فقد تكون بعض النفوس قوية كاملة فی القوة النظرية وضعيفة فی القوة العملية وقد تكون بالضد منه فتكون قوية فی التصرف فی اجسام العالم العنصری وضعيفة فی المعارف الالهية وقد تكون كاملة قاصرة فيهما جميعا وذلك فی غاية الندرة وقد تكون ناقصة فيهما جميعا وذلك هو الغالب فی اكثر الخلق واذا عرفت هذه المقدمات فنقول مرض النفوس الناطقة شيئان الاعراض عن الحق والاقبال على الخلق وصحتها شيئان الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فكل من دعا الخلق الى الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فهو النبی الصادق وقد ذكرنا ان مراتب هذا النوع من الناس مختلفة بالقوة والضعف والكمال والنقصان فكل من كانت قدرته على افادة هذه الصحة اكمل كان اعلى فی درجة النبوة وكل من كانت قدرته فی هذا الباب اضعف كان انقص فی درجة النبوة فهذا ما اردنا شرحه وبيانه من حال النبوة والله اعلم

الفصل الثانی القرآن العظيم يدل على ان هذا الطريق هو الطريق الاكمل الافضل فی اثبات النبوة اعلم انا نذكر سوراً من القرآن ونفسرها لتظهر من ذلك التفسير صحة هذا الطريق الذی ذكرناه فمنها سورة سبح اسم

ربك الاعلى فنقول قد علمت ان الاصل هو الالهيات والفرع هو النبوات فلاجرم
جرت العادة فى القرآن انه يقع الابتداء بتقرير الالهيات ثم يقع الشروع
فى تقرير النبوات بعدها ففى هذه السورة بدأ بالالهيات فقال سبح اسم
ربك الاعلى ومعناه انه اعلى من مناسبة جميع الممكنات ومشابهة كل المحدثات
لانها مركبة من المادة والصورة باعتبار ومن الجنس والفصل باعتبار ثان ومن
قبول التغير والفناء اما فى الذات واما فى الصفات وهو سبحانه اعلى من كل
هذه الاشياء فى كل هذه الصفات وفيه لطيفة اخرى لا يمكن ذكرها واعلم
ان اكثر الدلائل المذكورة فى القرآن على اثبات الاله تعالى محصورة فى قاعدة
واحدة وهى حدوث الصفات وهى اما فى الحيوانات او فى النبات والحيوان له
بدن ونفس فقوله الذى خلق فسوى اشارة الى ما فى ابدانها من العجائب
وقوله والذى قدر فهدى اشارة الى ما فى نفوسها من الغرائب فنبه بهذين
الضابطين على ما لا نهاية له فى العجائب والغرائب ثم اتبعه بذكر الدلائل
الماخوذة من النبات وهو قوله والذى اخرج المرعى فجعله غثاء احوى ولما قرر
امر الالهيات اتبعه بتقرير امر النبوات وقد علمت ان كمال حال الانبياء فى
حصول امور اربعة او لها كمال القوة النظرية وثانيها كمال القوة العملية وثالثها
قدرته على تكميل القوة النظرية التى لغيره ورابعها قدرته على تكميل القوة
العملية التى لغيره ولا شك ان كمال حاله فى القوتين مقدم على قدرته على
تكميل غيره فى هاتين القوتين ولا شك ان القوة النظرية اشرف من القوة
العملية فهذا البيان يقتضى ان يقع الابتداء اولا بشرح قوته النظرية وثانيا
بشرح قوته العملية وثالثا بكيفية حاله فى القدرة على تكميل القوة النظرية التى
للناقصين ورابعا بكيفية حاله فى القدرة على تكميل القوة العملية للناقصين

فاذا ظهر كماله فى هذه المقامات الاربعة فحينئذ يظهر انه بلغ فى صفة النبوة والرسالة
الى الغاية القصوى اذا عرفت هذا فنقول انه تعالى لما ذكر اصول الالهيات واراد
الشروع فى صفات النبوة قال سنقرئك فلا تنسى يعنى ان نفسك نفس قدسية
آمنة من الغلط والنسيان الا ما شاء الله انه يحصل بمقتضى الجبلة الانسانية
والطينة البشرية ثم اتبعه ببيان كمال حاله فى القوة العملية فقال ونيسرك
لليسرى معناه انا نقوى دواعيك فى الاعمال التى تفيد اليسر والسعادة فى
الدنيا والاخرة ثم لما بين كمال حاله فى هذين المقامين اتبعه بان امره بان
يشتغل بتكميل الناقصين وارشاد المحتاجين فقال فذكر ان نفعت الذكرى
فقوله فذكر امر له بارشاد الناقصين وقوله ان نفعت تنبيه على انه ليس كل
من سمع ذلك انتفع به فان النفوس الناطقة مختلفة فبعضها ينتفع بذلك
وبعضها لا ينتفع وبعضها يضره سماع ذلك التذكير لان سماعه يكثر فى قلبه
دواعى الحسد والغيظ والغضب والاصرار على الجهل ثم لما نبه تعالى على ان
المستمع لذلك التذكير قد ينتفع به وقد لا ينتفع به اتبعه ببيان خاصية كل واحد
هذين القسمين فقال سيذكر من يخشى ويتجنبها الاشقى الذى يصلى النار الكبرى
فبين ان صفة من ينتفع بهذا التذكير هو ان يكون الخوف غالبا على قلبه والخشية
مستولية على روحه فلاجل ذلك الخوف يطلب زاد المعاد فلاجرم ينتفع بارشاد
هذا الحق واما الذى لا ينتفع بهذا التذكير فيتباعد منه ويجتنب من القرب
منه فهو النفس الموصوفة بكونها اشقى فانها تبقى فى عناء هذا العالم وبعد الموت
تقع فى ميزان الحسرة والوحشة فلما بين هذا زاد فى صفته فقال ثم لا يموت
فيها ولا يحيى لانها وان بقيت حية لكنها بقيت فى العذاب والموت خير من
هذه الحيوة فلهذا قال ثم لا يموت فيها ولا يحيى ولما بين وعيد من لا ينتفع

بذلك بين كمال حال من ينتفع فقال قد افلح من تزكى وذلك ان المقصود من تعليم
الانبياء وتذكيرهم وارشادهم امران احدهما ازالة الاخلاق الذميمة الظلمانية
عن النفس والثاني تحصيل الصفات الحميدة الروحانية في النفس ولما كانت
ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي لا جرم ابتدأ بقوله قد افلح من تزكى
والمراد منه تزكية النفس وتطهيرها عن الصفات المذمومة ولما ذكر ذلك اتبعه
بتحصيل ما ينبغي وذلك اما في القوة النظرية او في القوة العملية ورئيس المعارف
النظرية ذكر الله ومعرفته ورئيس الاعمال الفاضلة خدمة الله فلهذا قال وذكر اسم
ربه فصلى وهو اشارة الى استعداد الانسان في تكميل القوة النظرية بارشاد الانبياء
وقوله فصلى هو اشارة الى استعداده في تكميل قوته العملية بارشادهم وهدايتهم
ثم عاد الى حال المعرضين عن الانتفاع بارشاد الانبياء وهدايتهم وبين ان ذلك
الاعراض انما تولد عن حب الدنيا وقوة الرغبة فيها فقال بل تؤثرون الحيوة
الدنيا ثم بين ان الرغبة في الروحانيات التي تحصل في عالم الاخرة راجحة
على لذات هذه الدنيا من وجهين احدهما انها خير من اللذات الجسمانية وقد
سبق تقريره في كتاب التفسير والثاني انها ابقى من هذه الجسمانيات وذلك معلوم
بالضرورة فقال والاخرة خير وابقى واعلم انه تظهر بهذه الايات امور اربعة اولها
احوال الالهيات وثانيها صفات النبي والرسول وثالثها اقسام المستمعين الى
من ينتفع بارشاد الانبياء والى من لا ينتفع به وبيان احوال كل واحد من هذين
القسمين ورابعها التنبيه على ان خيرات الاخرة افضل وابقى من خيرات هذه الحيوة
الدنيا والافضل الابقى اولى بالتحصيل وعند هذا قد تم كل ما يحتاج الانسان اليه
في معرفة المبدأ ومعرفة صفات الانبياء ومعرفة احوال النفس ومعرفة الاخرة
ثم ختم السورة بقوله ان هذا لفي الصحف الاولى صحف ابراهيم وموسى والمعنى

ان كل من جاء من الانبياء فانزل الله كتابا او صحيفة فالمقصود منه ليس الا هذه
المراتب الاربع المذكورة ومن وقف على اسرار هذه السورة على الوجه الذي
لخصناه علم ان حقيقة القول في النبوة ليس الا ما ذكرناه ومن جملة السورة
اللائقة بهذا المعنى سورة العصر فبدء بقوله ان الانسان لفي خسر وذلك لانا
بينا انه حصل في بدنه تسعة عشر نوعا من انواع القوى وكلها تجره الى الدنيا
وطيباتها ولذاتها وهي الحواس الخمس الظاهرة والخمس الباطنة والشهوة والغضب
والسبع النباتية ومجموعها تسعة عشر وهي الزبانية الواقفة على باب جهنم الجسد
واما العقل فانه مصباح ضعيف وانما حصل بعد استيلاء تلك التسعة عشر
على مملكة البدن واذا كان كذلك فالظاهر ان حب الدنيا يستولي على النفوس
والارواح فاذا مات البدن بقيت النفس في الخسران والحرمان فلهذا قال ان
الانسان لفي خسر ثم انه استثنى من هذا الخسران انسانا يتناول ترياق الاربعة
وهو ترياق روحاني مركب من اخلاط اربعة روحانية فاولها كمال القوة النظرية
وهو قوله الا الذين آمنوا وثانيها كمال القوة العملية وهو قوله وعملوا الصالحات
وثالثها السعي في تكميل القوة النظرية للغير وهو قوله وتواصوا بالحق ورابعها السعي
في تكميل القوة العملية للغير وهو قوله وتواصوا بالصبر واعلم ان الصبر لان
البلاء الاكبر في دعاء الشهوة الى الفساد ودعاء الغضب الى الايذاء وسفك
الدماء كما اخبر عن الملائكة انهم قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء
فاذا قدر الانسان على الصبر على اجابة الشهوة والغضب فقد فاز بكل الخيرات
في القوة العملية ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكرناه انه تعالى لما حكى
عن الكفار انهم طلبوا منه عليه السلام المعجزات القاهرة في قوله تعالى
وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا ثم انه تعالى قال قل سبحان ربي

هل كنت الا بشرا رسولا يعني كون الشخص انسانا موصوفا بالرسالة معناه كونه كاملا في قوته النظرية والعملية وقادرا على معالجة المناقصين في هاتين القوتين وليس يلزم من حصول هذه الصفة كونه قادرا على الاحوال التي طلبتموها منه ومن جملة الآيات الدالة على ماذكرناه انه تعالى لما قال في سورة الشعراء وانه لتنزيل رب العالمين اورد عليه سؤال وهو انه لم لا يجوز ان يكون هذا من تنزيل الشياطين فقال جوابا عنه ما تنزلت به الشياطين . . . . . .

ثم بين الجواب فقال هل انبئكم على من تنزل الشياطين تنزل على كل افاك اثيم والمعنى انه لو كانت الدعوة الى طلب الدنيا وطلب اللذات والشهوات كان في ذلك الداعي افاكا اثيما والذين يعينونه عليه هم الشياطين واما انا فادعو الى الله والى الاعراض عن الدنيا والاقبال على الاخرة فلا يكون هذا باعانة الشياطين بل باعانة الله فاستدل بكون دعوته دعوة الى الله والى الحق على كونه نبيا صادقا لا ساحرا كاذبا ولما اورد عليه سؤال اخر وهو ان لكل واحد من الشعراء شيطانا يعينه على شعره فلم لا يجوز ان يكون حالك كذلك اجاب عنه بقوله الشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم في كل واد يهيمون والمعنى ان الشاعر انما يدعو الى الطمع في الدنيا والترغيب في اللذات البدنية واما انا فادعو الى الله والى الدار الاخرة فامتنع ان يكون الناصر والمعين في هذه الطريقة هو الشيطان فظهر الفرق فقد ظهر بهذه الايات ان الطريق الذي ذكرناه في اثبات النبوة هو الطريق الافضل الاكمل والله اعلم

الفصل الثالث في صفة هذه الدعوة

اعلم ان منصب النبوة والرسالة عبارة من دعوة الخلق من الاشتغال بالخلق الى خدمة الحق ومن الاقبال على الدنيا الى الاقبال على الاخرة فهذا هو المقصود

الاصلح الا ان الناس لما كانوا حاضرين فى الدنيا ومحتاجين الى مصالحها وجب
ان يكون له خوض فى هذا الباب ايضا بقدر الحاجة فنقول خوض الرسول اما ان يكون
فيما يتعلق بالدين او فيما يتعلق بالدنيا اما القسم الاول وهو ما يتعلق بالدين
فيجب عليه البحث فى امور ثلاثة الماضى والحال والمستقبل اما الماضى فهو ان يرشدهم
الى ان هذا العالم محدث وله اله كان موجودا فى الازل وسيبقى فى الابد وانه منزه
عن مماثلة الممكنات وانه موصوف بالصفات المعتبرة فى الالهية والكمال وهى القدرة
النافذة فى جميع الممكنات والعلم السارى فى جميع المعلومات والوحدانية المطلقة بمعنى كونه منزها عن
الاجزاء والابعاض والفردانية المطلقة بمعنى كونه منزها عن الضد والند والصاحبة
والولد ثم يجب عليه ان يبين لهم ان كل ما يدخل فى الوجود فهو بقضاء الله
وقدره وانه منزه عن الظلم والعبث والباطل واعلم ان هذا الذى ذكرناه
يتفرع عليه انواع من البحث الفرع الاول لا يليق بصاحب الدعوة ايراد هذه
المطالب كما يورده اهل الجدل والاستدلال لان ذلك الطريق يحمل السامعين
على الاعتراض عليه وعلى ايراد الاسئلة فانه اذا اشتغل بالجواب عنها فربما اورد
على تلك الاجوبة اسئلة ويحصل فتح باب المشاغبات والمجادلات ولا يحصل
المقصود البتة بل الواجب عليه ايراد البيانات البرهانية مخلوطة بطريقة الخطابة
من الترغيب والترهيب فانه بسبب ما فيه من قوة المقدمات البرهانية يبقى
مستعظما فى العقول وبسبب ما فيه من طريقة الخطابة يكون تأثيره فى القلوب
اكمل ويكون بعد السامعين عن سوء الادب الذى يحصل بسبب المشاغبات اتم
والفرع الثانى انه لا يجوز له ان يصرح بالتنزيه المحض لان قلوب اكثر الخلق تنفر
عن قبول مثل هذا الكلام فاذا وقع التصريح به صار ذلك سببا لنفرة اكثر الخلق
عن متابعته بل الواجب عليه ان يبين انه سبحانه منزه عن مشابهة المحدثات

ومناسبة الممكنات كما قال ليس كمثله شئ وهو السميع البصير ثم يقول بعد
ذلك وهو القاهر فوق عباده اليه يصعد الكلم الطيب الرحمن على العرش
استوى ويمنعهم عن البحث فى هذه المضائق الا اذا كان من الاذكياء المحققين
والعقلاء المدققين فانه يعقله الواثر يقف على حقائق الاشياء وايضا
يبين لهم كون العبد صانعا فاعلا قادرا على الفعل والترك والخير والشر
ويبالغ فيه فانه ان القى اليهم الجبر المحض تركوه ولم يلتفتوا اليه ويبين لهم
ايضا انه وان كان الامر كذلك الا ان الكل بقضاء الله فلا يغرب عن علمه
وحكمه مقدار ذرة فى السموت والارض ثم يمنعهم بالقصد لوجوه عن الخوض
فى هذه الدقائق فان طباع اكثر الخلق بعيدة عن هذه الاشياء وبالجملة
فاحسن الطرق فى دعوة الخلق الى عبودية الحق هو الطريق الذى جاء به سيد
الانبياء وهو محمد عليه السلام وذلك انه يبالغ فى تعظيم الله تعالى من جميع
الوجوه على سبيل الاجمال ويمنعهم على الخوض فى التفاصيل فذكر فى
اثبات التنزيه قوله تعالى والله الغنى وانتم الفقراء واذا كان غنيا على الاطلاق
امتنع كونه مولفا من الاجزاء واذا كان كذلك امتنع ان يكون متحيزا واذا كان
كذلك امتنع ان يكون حاصلا فى الامكنة والاحياز وذكر ايضا قوله ليس كمثله
شئ ولو كان جسما لكان ذاته مثلا كاثر الاجسام بناء على قولنا الاجسام
متماثلة باسرها ثم انه ذكر فى جانب الاثبات الفاظا
كثيرة ويبالغ فيه وهذا هو الواجب لانه لو لم يذكر هذه الالفاظ لما تقرر عند
الاكثرين كونه موجودا وايضا بالغ فى تقرير كونه عالما بجميع المعلومات فقال
وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو وقال الله يعلم ما تحمل كل انثى وما
تغيض الارحام ثم لم يقتصر فى بيان انه عالم لذاته او بالعلم وبين ايضا كون

العبد فاعلا وعاملا وصانعا وخالقا محدثا في آيات كثيرة ثم بين في سائر الآيات
ان الخير والشر كل من الله ولم يبين انه كيف يجمع بين هذين القولين بل
اوجب الايمان بهما على سبيل الاجمال وايضا بين انه لا يعرف شئ عن مشيئة
الله وارادته وقضائه وقدره ثم بين انه لا يريد الظلم والعبث والباطل
فالحاصل ان طريقته في الدعوة هي تعظيم الله من جميع الجهات المعقولة
والمنع من الخوض في بيان ان تلك الجهات هل تتناقض ام لا فانا ان قلنا
القبائح من افعال العباد حصلت بتخليق الله فقد عظمناه بحسب الحكمة لكن
ما عظمناه بحسب القدرة وبحسب الحكمة معًا فقال في الاول قل كل من عند الله
وقال في الثاني ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك
منع الناس من ان يخوضوا في تقرير هذا التعارض وفي ازالته بل الواجب على العوام
الايمان المطلق بتعظيم الله في القدرة وفي الحكمة وفي الحقيقة فالذي قاله هو
الصواب فان الدعوة العامة لا تنتظم الا بهذا الطريق واما القسم الثاني من
المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم الحاضر وذلك هو ان يكون العبد
مشتغل الزمان بخدمة المعبود وتلك الخدمة اما ان تعتبر في القلب وهو
بالمعارف والعلوم واما بالبدن وهو الاتيان بالطاعات البدنية واما بالمال
وهو الزكوة والصدقات ولما كان جمهور الخلائق محتاجين الى مرشد يرشدهم
الى هذه المعارف وهو النبي لا جرم وجب على الانبياء ان يوجبوا عليهم الايمان
بالانبياء والرسل۔

والقسم الثالث من المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم
المستقبل وهو معرفة الاخرة واحوال ما بعد الموت فهذه الاقسام الثلثة اهم
المهمات للانبياء والرسل في ان يشتغلوا بتعريف احوالها وتفصيل آثارها

واعلم ان المهمات على قسمين - احدهما ازالة ما لا ينبغي والثاني تحصيل ما ينبغي والاول متقدم على الثاني لان اللوح اذا حصل فيه نقوش فاسدة فالواجب ازالتها حتى يمكن تحصيل النقوش الصحيحة فيه ثانيا فثبت ان ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي فلهذا السبب ول ما ذكره الله في القرآن هذه المراتب وهي سبعة فالمرتبة الاولى ازالة ما لا ينبغي وهو المراد بالتقى فلهذا بدأ الله بذكره فقال هدى للمتقين واما سائر المراتب بعد ذلك فهي اشارة الى تحصيل ما ينبغي واشرف ما يتعلق بالانسان هو النفس واوسط المراتب البدن وادونها المال فلهذا ذكر بعد قوله هدى للمتقين قوله يومنون بالغيب فان محل الايمان هو القلب وبعده قوله ويقيمون الصلوة لانها تتعلق بالبدن واخره قوله ومما رزقنهم ينفقون لانه يتعلق بالمال ولما ذكر هذه الاحوال الاربعة المتعلقة بالالهيات اردفها بذكر مرتبتين تتعلقان بالنبوات فقال والذين يومنون بما انزل اليك وهو اشارة الى وجوب الايمان بالرسول الحاضر ثم قال بعده وما انزل من قبلك وهو اشارة الى وجوب الايمان بسائر الانبياء المتقدمين وعند هذا تم ما يحتاج اليه في باب النبوات ثم قال في مرتبة السابعة وبالاخرة هم يوقنون وهو اشارة الى الايمان بالبعث والقيامة ثم لما ذكر هذه المراتب السبع وهي الاصول المتعلقة بالامس واليوم والغد فقد تمت المطالب وكملت المصالح فلهذا قال بعده اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون فذلك لان الانسان مادام يكون في الدنيا فهو في الطريق واحسن احوال المسافر ان يكون على هدى من معرفة الطريق واذا مات فقد وصل المسافر الى المقصد واحسن احواله ان يكون قد افلح في ذلك السفر وفاز بالخيرات

بحث نبوت از معارج القدس امام غزالی

قاعدہ فی النبوۃ والرسالۃ ویشتمل علی بیانات، بیان ان الرسالہ ھل تقتنص بالحد ام لا وبیان ان الرسالۃ مکتسبۃ ام اثرۃ ربانیۃ وبیان ان اثبات الرسالۃ بالبرھان وبیان خواص الرسالۃ وھی المعجزات وبیان کیفیۃ الدعوۃ وما یوخذ من السمع وما لا یوخذ۔

بیان ان الرسالۃ لا تقتنص بالحد والحقیقۃ بذکر جنسھا وفصلھا وذلک لان معرفۃ الاشیاء لا یتوقف علی الظفر بحدودھا ووجدان جنسھا وفصلھا فکم من موجود لا جنس لہ ولا فصل ولا حد لہ ولا رسم ومالہ جنس وفصل فربما لا یظفر بجنسہ وفصلہ واکثر الامور کذلک فان اعطاء الحد ودصعب عسیر علی الاذھان نعم یستدل علی وجودہ وحقیقتہ باشارۃ فان العقل والنفس وکثیرا من المفارقات یتصور ولا حد لھا ولا رسم وانما یدل علیھا بالبرھان ولو سأل سائل نبیا من الانبیاء عن خواص الرسالۃ وماھیتھا وایراد حدھا بجنسھا وفصلھا ترى کیف کان جوابہ عنھا او کان یشرع فی تحقیق ذلک وذکر حدہ ورسمہ وتعدید خواصہ حتی یتوقف علی معرفۃ ذلک کلہ وان لم یعرف المستجیب ذلک لا یمکنہ تصدیقہ ام کان یجب علیہ التصدیق فی الحال سواء عرف حد الرسالۃ او لم یعرف واذا کانت الرسالۃ مرتبۃ فوق مرتبۃ الانسانیۃ کما کانت الانسانیۃ مرتبۃ فوق مرتبۃ الحیوانیۃ لم یتوقف اتباع الرسول علی معرفۃ الرسالۃ کما لا یتوقف استخبار الحیوان علی معرفۃ الانسانیۃ بل الانسان لو اراد تعریف الحیوان خواص الانسانیۃ کان ذلک سفھا منہ وتکلیف ما لا یطاق

لہ اس عبارت کا حاصل ترجمہ خاتمہ میں آئیگا۔

كذلك لو اراد الرسول تعريف الانسان خواص الرسالة كان ذلك تكليفا منه ما لا يطاق فلا المطالبة عليه متوجه ولا الجواب عنه لازم وهذا كما طالب فرعون موسى عليه السلام بذكر ماهية رب العلمين قال وما رب العلمين قال رب السموات والارض وما بينهما ان كنتم موقنين وطالبه ثانيا وثالثا فلم يات بحد ولا رسم ولم يذكر جنسا ولا فصلا فى تعريف ما سأله الا بالربوبية المحضة والتعريف بالخلائق ومكانياتها وزمانياتها والمواليد التى بين المكان والزمان ۔

بيان ان الرسالة حظوة مكتسبة ام اثرة ربانية فنقول اعلم ان الرسالة اثرة علوية وحظوة ربانية وعطية الهية لا يكتسب بجهد ولا ينال بكسب الله اعلم حيث يجعل رسالته وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان لكن الجهد والكسب فى اعداد النفس لقبول اثار الوحى بالعبادات المشفوعة بالفكرة والمعاملات الخالصة عن الرياء والسمعة من لوازمها فليس الامر فيها اتفاقيا جزافا حتى ينالها كل من دب ودرج ومرتبا على جهد وكسب حتى يصيبها كل من بكر وادلج وكما ان الانسانية لنوع الانسان والملكية لنوع الملائكة ليست مكتسبة لاختصاص لنوع وان العمل بموجب النوعية ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد واستعداد كذلك النبوة لنوع الانبياء ليست مكتسبة لاختصاص لنوع وان العمل بموجب النبوة ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد واستعداد فيوحى اليه طه ما انزلنا عليك القران لتشقى حين تورمت قدماه من العبادة حتى قال افلا اكون عبدا شكورا وكان صلى الله عليه وسلم يتحنث قبل الوحى وحببت اليه الخلوة وكان يرى الرؤيا فياتى مثل فلق الصبح على انها احوال عرضية واعراض طارية على النوعية بنوع استصحاب واستحقاق من كمال تركيب المزاج وحسن الصورة وتمام الاعتدال وطهارة النشوء والتربية وطيب الاعراق ومكارم

الاخلاق والسمت الصالح والاناءة والوقار ولين الجانب وخفض الجناح والرحمة بالاولياء والشدة والبأس على الاعداء وصدق الحديث واداء الامانة والصون عن جميع الرذائل والتحلي بانواع الفضائل وزكاء العرض عن جميع الدنيات والعفو عمن ظلمه والاحسان الى من اساء اليه وصلة الرحم وحفظ الغيب وحسن الجوار واعانة المظلوم واعانة الملهوف وحب المعروف وبغض المنكر وغير ذلك ما ضل صاحبكم وما غوى فى هذا العالم ما زاغ البصر وما طغى فى ذلك العالم تعنو لنفسه نفوس العالمين طوعا وكرها وهو غير متكبر ولا جبار ولا فظ غليظ يهاب اذا سكت ولا يعاب اذا نطق لطيف الشمائل اذا تحرك وسكن، قد نهض باحتمال اعباء ما حمل من الرسالة فاداها وافاض رحمة على العالمين فوفاها صلى الله عليه وسلم وعلى اله الطاهرين ـ

بيان اثبات الرسالة وبيان اثباتها بطريقين احدهما جملى

والاخر تفصيلى اما الجملى فهو كما ان نوع الانسان تميز على سائر الحيوان بنفس ناطقة هى فوقها بالفضيلة العقلية والمسخرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها كذلك نفوس الانبياء عليهم السلام تميزت عن نفوس الناس بعقل هاد مهدى هو فوق العقول كلها بالفضيلة الربانية والمدبرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها وكما ان حركات الانسان معجزات الحيوان فليس حيوان يتحرك مثل حركته الفكرية والقولية والعقلية كذلك جميع حركات النبى معجزات للانسان فليس انسان يتحرك مثل حركته الفكرية والقولية والفعلية وكما تميز النبى عن الناس بعقله المناسب للعقول المفارقة والعقل الاول كذلك تميز بنفسه المشاكل لنفوس السماويات والنفس الكلية وكذلك تميز بطبعه ومزاجه المستعد لقبول مثل هذا العقل والنفس بالفعل وكما لا يتصور فى سنة الفطرة

الالهية ان يكون من نطفة كل حيوان انسان كذلك لا يتصور في سنة الفطرة
ان يكون من نطفة كل انسان نبي الله يخلق ما يشاء ويختار الله يصطفي من الملائكة
رسلا ومن الناس فهو المختار في طبعه ومزاجه المصطفى بنفسه وعقله لا يشاركه
فيها احد من الناس ومن وجه اخر النبي وان شارك الناس في البشرية والانسانية
من حيث الصورة فقد باينهم من حيث المعنى ذ بشريته فوق بشرية الناس
لاستعداد بشريته قبول الوحي قل انما انا بشر مثلكم اشارة الى طرف المشابهة
من حيث الصورة يوحى الى اشارة الى طرف المباينة من حيث المعنى اما من
حيث التفصيل فمن طرق۔

الطريق الاول برهان الشئ من الحركات الاختيارية وهي اقسام
ثلثة فكرية وقولية وعملية والحركة الفكرية يدخلها الحق والباطل والقولية يدخلها
الصدق والكذب والعملية يدخلها الخير والشر وهذه العبارات اصطلاحية
والمعنى مستقيم فيها مفهوم عنها ولا نشك انها على تضادها واختلافها ليست
واجبة بجملتها او واجبة التحصيل فان من افتى بهذا القول يكون مستحق القتل
بفتواه لان قتله من جملة الحركات وهو واجب الفعل وليس كلها واجب الترك
فان من افتى بهذا ينبغي ان لا يكون يتنفس لان النفس منه حركة وهي واجبة الترك
فظهر من هذا بان بعضها واجب الترك وبعضها واجب الفعل واذا ثبت هذا
فقد ثبت حدود في الحركات حتى كان بعضها خيرا واجب الفعل وبعضها شرا
واجب الترك فالتمييز بين حركة وحركة بالحدود لا يخلو اما ان يعرفه كل احد
او لا يعرفه احد او يعرفه بعض دون بعض ظاهر انه لا يعرفه كل حد وباطل انه
يعرفه كل احد فظهر انه يعرفه احد دون احد
فثبت بالتقسيم الاول حدود في الحركات ويثبت بالتقسيم اصحاب حدود يعرفونها

وهم الانبياء واصحاب الشرائع والانسان اذا رجع الى نفسه علم انه اذا لم يكن عارفا بالحدود يجب ان يكون فى حكم اصحاب الحدود فثبت النبوات بضرورة الحركات۔

الطريق الثانى نقول ان نوع الانسان محتاج الى اجتماع فى حركاته الاختيارية ومعاملاته المصلحية ولولا ذلك الاجتماع ما بقى شخصه ولا انحفظ نوعه ولا احترس ماله وحريمه وكيفية ذلك الاجتماع يسمى ملة وشريعة وبيان ذلك انه فى استبقاء حياته واستحفاظ نوعه واحتراس ماله وحريمه محتاج الى تعاون وتمانع اما التعاون فلتحصيل ما ليس له مما يحتاج اليه فى مطعمه وملبسه ومسكنه واما التمانع فليحفظ ماله من نفسه وولده وحريمه وماله وكذلك فى استحفاظ نوعه يحتاج الى تعاون فى الازدواج والمشاركة وتمانع يحفظ ذلك على نفسه وهذا التمانع والتعاون يجب ان يكونا على حد محدود وقضية عادلة وسنة جامعة مانعة ومن المعلوم ان كل عقل لا يفى بتمهيد هذه السنة على قانون يشمل مصالح النوع جملة ويخص حال كل شخص تفصيلا الا ان يكون عقل مؤيد بالوحى مفيض للرسالة مستمد من الروحانيات التى قيضت لحفظ نظام العالم وهم بامره يعملون وعلى سننه فى الخلق سائرون وبحكمه حاكمون فيكون الفيض متصلا بهامن المقادير فى الاحكام ثم منها فائضا على الشخص المتحمل لتلك الامانة القابل لاسرار الديانة يتبع الحق فى جميع الامور ويتبعه الحق فى جميع الحركات تكلم الناس على مقادير عقولهم لعقله الواقف على تلك المقادير ويكلف العباد على قدر استطاعتهم بقدرته المحيطة بتلك الاقدار وهذه الدلائل فروع لاصل واحد وهو اثبات الامر لله عز وجل

وهو الطريق الثالث لاثبات النبوة ومن لم يعرف بامره لم يعرف

بالنبوة قط فان النبى متوسط الامر كما ان الملك متوسط الخلق والامر وكما وجب الايمان بالله من حيث الخلق والامر كذلك وجب الايمان بالله ومتوسطى الخلق والامر كل امن بالله وملائكته وكتبه ورسله فالطريق فى اثبات الامر على نوعين احدهما ان الممكنات كما احتاجت الى مرجح لجانب الوجود على العدم وان الحركات كما احتاجت بتجددها الى محرك يديمها بالتعاقب ثم المائلة من الحركات الى غير ما مالت عنه والمختلفات عنها الى غير جهاتها الطبعية احتاجت الى كون المحرك مريدا مختارا ثم المتوجهة منها الى نظام الخير دون الفساد والشر احتاجت الى كون المحرك آمرا امر التدبير وذلك قوله تعالى واوحى فى كل سماء امرها ثم الحركات الانسانية كما احتاجت الى ارادة عقلية فى جهاتها المتباينة كذلك احتاجت الى مكلف آمر ناه فى حدودها المختلفة حتى يختار المكلف الحق دون الباطل فى الحركات الفكرية والصدق دون الكذب فى الحركات القولية والخير دون الشر فى الحركات العلمية وكما ان امر التدبير جار على عموم الخلق لنظام وجود العالم الكبير كله وذلك قوله تعالى والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارك الله رب العلمين كذلك امر التكليف جار على خصوص الخلق لنظام وجود العالم الصغير وذلك قوله تعالى يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذى خلق وكذلك جميع الاوامر والنواهى المتوجهة على الناس وكما اوحى فى كل سماء امرها بواسطة ملك كذلك اوحى فى كل زمان امره بواسطة نبى فذلك هو التقدير وهذا هو التكليف۔

الطريق الثانى فى اثبات الامر الاول ان نقول قد تحقق وثابت بالبراهين ان الاول المبدع ملك مطاع فله الخلق كله ملكا وملكا وكل ملك فله فى سلطانه امر ونهى وترغيب وترهيب ووعد ووعيد ولا يجوز ان يكون امره

محدثا مخلوقا فان المخلوق من حيث هو مخلوق لا يدل الا على خالق فليس له دلالة
على الامر بمعنى الاقتضاء والطلب والتكليف والتعريف والحث والزجر والترغيب
والترهيب ومن لم يثبت لله عز وجل امرا يطاع فقد احال كل هذه الاوامر
والنواهي والتذكيرات والتنبيهات على من ادعى النبوة مقصورة عليه غير
متعدية عنه وما يضيفها الى الله تعالى من قال الله وذكر الله وامر الله ونهى الله
ووعد الله ووعيد الله يكون مجازا لا حقيقة وترويجا للكلام على العامة لا تحقيقا
ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى الى ولم يوح اليه شئ فقد نسبوا
النبي الذي في اعلى درجات الانسان الى اشد الظلم الذي هو اسفل الدرجات
والخيانة التي هي اخبث السيئات جل منصب النبوة عن ذلك

بيان خواص النبوة

ولها خواص ثلث احدها تابعة لقوة التخيل والثانية تابعة لقوة العقل النظري والثالثة لقوة العقلي العملي

الخاصية الاولى فاعلم اولا انه ليس يمكن ان يبرهن على مبادئ العلوم ومقدماتها من العلوم نفسها فليسلم لنا ههنا ان كل معلول فيجب ان يلزم عن علة حتى يوجد وما دام ممكن الوجود عنه فليس يوجد وان الحركة السماوية اختيارية وان الحركة الاختيارية لا يلزم الا عن اختيار بالغرض موجه للفعل وان الاختيار للامر الكلي لا يوجب جزئيا فانه يلزم الامر الجزئي بعينه عن اختيار جزئي يخصه بعينه وان الحركات التي توجد بالفعل هي كلها جزئية فيجب ان كانت اختيارية ان يكون عن اختيار جزئي فيجب ان يكون المحرك لها مدركا للجزئيات ولا يكون البتة عقلا صرفا بل يكون نفسا يستعمل آلة جسمانية يدرك بها امورا جزئية ادراكا اما ان يكون تخيلا او تعقلا عمليا هو ارفع من التخيل وله ايضا عقل كلي يستمد من العقل المفارق الذي

يدرك العلوم الكلية وهذا كله مبين فى العلوم الالهية فيظهر من تسليم
هذه ان الحركات السماوية يحرك كل واحد منها جوهر نفسانى يتعقل الجزئيات
بالنحو من التعقل الذى يخصها ويرتسم فيه صورها وصور الحركات التى يختارها
كل واحد منها ويحاوله حتى يكون هيات الحركات تتجدد فيها دائما حتى يتجدد
الحركات ويكون يتصور لامحالة حينئذ الغايات التى يودى اليها الحركات
فى هذا العالم ويتصور هذا العالم برمته بتفصيله وتلخيصه والاجزاء التى فيه
لا يغرب منها شئ ويلزم ذلك ان يتصور الامور التى تحدث فى المستقبل
وذلك انها امور يلزم وجودها عن النسبة التى بين الحركات المتعلقة عندها
بالشخصية والنسب التى بين الامور التى ههنا والنسب التى بين هذه الامور
وتلك الحركات فلا يخرج النسبة عن ان يكون حدوثه فى المستقبل لانها
لوجود هذه على ما هى عليه فى الحال فان الامور اما ان يكون بالطبع واما ان يكون
بالاختيار واما ان يكون بالاتفاق والتى يكون عن الطبع اما طبع حاصل ههنا
اوليا او طبع حادث ههنا عن طبع ههنا او طبع حادث عن طبع سماوى واما
الاختيارات فانها يلزم الاختيار والاختيار حادث وكل حادث بعد ما لم يكن
فله علة وحدوثها بلزوم وعلته اما شئ كائن ههنا على احدى الجهات
او شئ سماوى او شئ مشترك بينهما واما الاتفاقات وهى اصطكاكات
ومصادمات بين هذه الامور الطبعية والاختيارية بعضها مع بعض فى
مجاريها فيكون اذن الاشياء الممكنة ما لم يجب لم يوجد وانما يجب لابداتها
بل بالقياس الى عللها والى الاجتماعات التى لعلل شتى فاذا يكون كل شئ
متكون متصورا لجميع الاحوال الموجودة فى الحال من الطبيعة والارادة
الارضية والسماوية ولما خذ كل واحد منها ومجراه فى الحال فانما يتصور

مايجب عن استمرار هذه على ماخذها من الكائنات ولا كائنات الا مايجب
عنها كما قلنا فالكائنات اذا قد يدركه قبل الكون لامن جهة ما هي ممكنة بل من
جهة ما يجب وانما لا ندركها نحن لانه اما يخفى علينا جميع اسبابها الاخذة
نحوها او يظهر لنا بعضها فبقدر ما يظهر لنا منها يقع لنا حدس و ظن
بوجودها وبمقدار ما يخفى علينا منها يتداخلنا الشك في وجودها واما المحركات
للاجرام السماوية فيحضرها جميع الاحوال المتقدمة معا فيلزمه ان يحضرها
جميع الاحوال المتاخرة معا فيكون هيئة العالم بما يريد ان يكون فيه مرتسم
هناك ثم تلك الصور لا وحدها بل الصورة العقلية التي في الجواهر المفارقة
غير محتجبة عن انفسنا بحجاب البتة من جهتها انما الحجاب هو في قبولها اما لضعفها
او لاشتغالها بغير الجهة التي عندها يكون الوصول اليها والاتصال بها واما
اذا لم يكن احدى المعنيين فان الاتصال بها مبذول وليست مما يحتاج انفسنا
وادراكها الى شئ غير الاتصال بها ومطالعتها فاما الصور العقلية فان
الاتصال بها بالعقل النظرى واما هذه الصور التي الكلام فيها فان النفس انما
يتصورها بقوة اخرى وهو العقل العملى ويخدمه في هذا الباب التخيل فيكون
الامور الجزئية ينالها النفس بقوتها التي تسمى عقلا عمليا من الجواهر العالية
النفسانية ويكون الامور الكلية ينالها النفس بقوتها التي يسمى عقلا نظريا من
الجواهر العالية العقلية التي لا يجوز ان يكون فيها شئ من الصور الجزئية
البتة ويختلف الاستعدادات النفوس جميعا في الانفس خصوصا الاستعداد
لقبول الجزئيات بالاتصال بهذه الجواهر النفسانية فبعض الانفس يضعف
فيها او يقل هذه الاستعداد لضعف القوة المتخيلة وبعضها لا يكون فيه هذا
الاستعداد اصلا لضعف القوة المتخيلة ايضا وبعضه يكون هذا فيه اقوى

حتى ان الحس اذا ترك استعمال القوة المتخيلة وترك شغله بما يورد عليه جذب بها
القوة العملية الى تلك الجهة حتى انطبع فيها تلك الصورة الا ان القوة
المتخيلة لما فيها من الغريزة المحاكية والمنتقلة عن شئ الى غيره يترك ما اخذت
ويورد شبيهها وضده او مناسبه كما يعرض لليقظان من انه يشاهد فينعطف
عنه التخيل الى اشياء اخرى يحضرها مما يتصل به بوجه حتى ينسيه الشئ الاول
فيعود على سبيل التخيل والتخمين ويرجع الى الشئ الاول بان ياخذ الحاضر مما
قد تادى اليه الخيال فيفطن انه خطر فى الخيال تابعا لاى صورة تقدمته
وتلك لاى اخرى وكذلك ينتهى الى المبدأ ويتذكر ما نسيه كذلك التعبير هو
تحليل بالعكس لفعل التخيل حتى ينتهى الى الشئ الذى يكون النفس شاهدته
حين اتصالها بذلك العالم واخذت المتخيلة ينتقل عنه الى اشياء اخرى
فهذه طبقة وطبقة اخرى يقوى استعداد نفسها حتى نسيت ما ناله هناك
ويستقر عليه الخيال من غير ان يغلبه الخيال وينتقل الى غيره فيكون الرويا التى
لا يحتاج الى تعبير وطبقة اخرى اشد تمكنوا من تلك الطبقة وهم القوم الذين
بلغ من كمال قوتهم المتخيلة وشدتها انها لا يستغرقها القوى الحسية فى ايراد
ما يورد عليها حتى يمنعها ذلك عن خدمة النفس الناطقة فى اتصالها بتلك
المبادى الموجبة اليها بالامور الجزئية فيتصل كذلك فى حال اليقظة ويقبل
تلك الصور ثم ان المتخيلة يفعل مثل ما يفعل فى حال الرؤيا المحتاجة الى التعبير
بان ياخذ تلك الاحوال ويحاكيها ويستولى على الحسية حتى يوثر ما يتخيل فيها
من تلك فى قوة بنطاسيا بان ينطبع الصور الحاصلة فيها فى البنطاسيا المشاركة
فيشاهد صورا الهية عجيبة مرئية واقاويل الهية مسموعة هى مثل تلك المدركات
الوهمية وهذه ادون درجات المعنى المسمى بالنبوة واقوى من هذا ان يستثبت

تلك الاحوال والصور على هياتها مانعة للقوة المتخيلة عن الانصراف الى محاكاتها باشياء اخرى واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرة فى محاكاتها والعقل العملى والوهم لا يختلفان عمن استثبتا فتثبت فى الذاكرة صورة ما اخذت ويقبل المتخيلة على نبطاسيا ويحاكى فيه فاقبلت بصورة عجيبة مسموعة ومبصرة ويودى كل واحد منهما على وجهه وهذه طبقة النبوات المتعلقة بالقوة العقلية والعملية والخيالية وانظر قصص القران كيف اتت على جزئياتها كانه شاهدها وحضرها كانها كانت بمرئى من النبى ومسمع وكيف صدقت بحيث لم ينكرها احد من منكرى النبوة ولا يتعجبن متعجب من قولنا ان المتخيل قد يرتسم فى نبطاسيا فيشاهد فان المجانين قد يشاهدون ما يتخيلون ولذلك علة يتصل باماتة السبب الذى لاجله يعرض للممرورين ان يخبروا بالامور الكائنة فيصدقون فى الكثير واذ تلك مقدمة وهى ان القوة المتخيلة كالموضوعة بين قوتين مستعملتين لها سافلة وعالية اما السافلة فالحس فانها يورد عليها صور المحسوسة يشغلها بها واما العالية فالعقل فانه بقوته يصرفها عن التخيل للكاذبات التى يورده الحواس عليها ولا يستعملها العقل فيها واجتماع هاتين القوتين على استعمالها يحول بينها وبين التمكين من اصدار افعالها الخاصة على التمام حتى يكون الصور التى يخدمها بحيث ينطبع فى نبطاسيا انطباعا تاما فيحس فاذا اعرض عنها احدى القوتين لم يبعد ان يقاوم الاخرى فى كثير من الاحوال فلم يمتنع عن فعلها فيمنعه فتارة يتخلص عن مجاذبة الحس فيقوى على مقاومة العقل ويمعن فيما هو فعلها الخاص غير ملتفت الى معاندة العقل وهذا فى حال النوم وعند احضارها الصورة كالمشاهدة وتارة يتخلص عن سياسة العقل عند فساد الالة التى يستعملها

العقل في تدبير البدن فيستعصى على الحس ولا يمكنها من شغلها بل يمعن في ابراز
افاعيلها حتى يصير ما ينطبع فيها من الصور كالمشاهدة لانطباعه في الحواس
وهذا في حال الجنون وقد يعرض مثل ذلك عند الخوف ما يعرض من ضعف
النفس وانخذالها واستيلاء الوهم والظن المعنيين للتخيل على العقل فيشاهد
امورا موحشة فالممرورين والمجانين يعرض لهم ان يتخيلوا ما ليس بهذا
السبب واما اخبارهم بالغيب فانما يتفق اكثر ذلك لهم عند احوال
كالصرع والغشي يفسد حركات قواهم الحسية وقد يعرض ان تكل قوتهم
المتخيلة لكثرة حركاتهم المضطربة لانها قوة بدنية ويكون هممهم عن المحسوسات
مصروفة فيكثر رفضهم للحس واذا كان كذلك فقد يتفق ان لا يشتغل هذه
القوة بالحواس اشتغالا مستغرقا ويعرض لها ادنى سكون عن حركاتها
المضطربة ويسهل ايضا انجذابها مع النفس الناطقة فيعرض للعقل العملي
اطلاع الى افق عالم النفس المذكور فيشاهد ما هنالك ويتادى
ما يشاهده الى الخيال فيظهر فيه كالمشاهد المسموع فحينئذ اذا اخبر به الممرور
وخرج وفق مقاله يكون قد تكهن بالكائنات المستقبلة والان يجب ان نختم
هذا البيان فقد ادينا فيه نكت الاسرار المكنونه **فان قال** قائل اذا كان
اصحاب الجن والكهنة والعرافين وبعض المجانين ربما يخبرون عن الغيب ويصدق
خبرهم وينذرون بالايات ويتحقق اثرها فبطلت خاصية النبوة **فالجواب**
ان يقر قد بينا قبل ذلك في البيانات المتقدمة ان التخيل في الحيوانات على تفاوت
وتفاضل وتضاد وترتب حتى قال بعض الحكماء ان اعلى درجاته ان يصل النفس
الى النفس التي هي مدبر فلك القمر الذي هو واهب الصور ولولا ان الجزئيات
من الموجودات الكائنة الفاسدة متصورة متخيلة في ذات النفس الفلكي

والا لما افاض على مادة ما يستحقه ولا مانع لمن تصور اللوازم الجزئية من الكائنات عنها في العالم العنصرى وكانه بهذا المعنى صار للاجسام السماوية زيادة معنى على العقل المفارق لتظاهر رأى جزئي وآخر كلي ان كان الرأى الكلي مستمدا من العقول فاذا فهمت هذا فللنفوس البشرية ان ينتقش نقش ذلك العالم بحسب الاستعداد وزوال المانع ويكون كالمرآة المقابلة للنفس الفلكي حتى يقع فيها جميع ما في النفس الفلكي فالى هذا الحد عظموا امر الخيال واما في جانب السفل فالى حيوان عديم التخيل وضعيف التخيل سريع النسيان لا يمكنه ان يستثبت الصورة ساعة او لحظة بل يتجدد له الخيالات بحسب تجدد الحركات وهذا على نمط التفاوت بالتفاضل واما ما هو على نمط التفاوت بالتضاد فتخيال وتخيل كله حق نشاء عن نفس خيرة وهي كخيال وتخيل كله نشاء عن نفس شريرة وكخيال وتخيل بين الطرفين ان التفت الى الخير التحق به وان التفت الى الشر التحق به وههنا نمط آخر من الكلام وهو اثبات عقل تجرد عن كل خيال واثبات خيال تجرد عن كل عقل واثبات عقل كله خيال واثبات خيال كله عقل وههنا حس عمل من خيال وخيال عمل من حس وعقلٌ عمل من خيال وخيال عمل من عقل وههنا علم على مزاج الظن وظن على مزاج العلم وانهم ظنوا كما ظننتم ان لن يبعث الله احدا الاشارة الى الظن الاول وانا ظننا ان لن نعجز الله في الارض ولن نعجزه هربا اشارة الى الظن الثاني واختصاص الظن بالجن في القرآن يشير في خصائص الجن ان وجودهم خيالي وتصوراتهم خيالية وصورهم لا يتراءى الا للخيال وكما ان الخيال على وسط بين الحس والعقل فكل ما هو خيالي على وسط بين الجسماني والروحاني كالجن والشياطين

والاوساط ابدا تكون ممزوجة من الطرفين

الخاصية الثانية للنبوة وهي تابعة للقوة النظرية فنقول من المعلوم الظاهر ان الامور المعقولة التي يتوصل الى اكتسابها بحصول الحد الاوسط بعد الجهل بها انما يتوصل الى اكتسابها في القياس وهذا الحد الاوسط قد يحصل على ضربين من الحصول فتارة يحصل بالحدس والحدس هو فعل الذهن يستنبط بذاته الحد الاوسط والذكاء قوة الحدس وتارة يحصل بالتعلم ويتادى التعلم الى الحدس فان الابتداء ينتهي لا محالة الى الحدوس استنبطها ارباب تلك الحدوس ثم ادوها الى المتعلمين فجائز ان يقع للانسان بنفسه الحدس وان ينعقد في ذهنه القياس بلا معلم يشرى وهذا يتفاوت بالكم والكيف اما في الكم فلان بعض الناس يكون اكثر حدسا للحدود الوسطى واما بالكيف فلان بعض الناس يكون اسرع زمان حدس وكان هذا التفاوت ليس منحصرا في حد بل يقبل الزيادة والنقصان فمنهم غبي لا يعود عليه الفكر بزيادة ومنهم من له فطانة الى حد ويستمتع بفكره ومنهم من اثقف من ذلك وله اصابة في المعقولات وتلك الثقافة غير متشابهة في الجميع بل ربما قلت وربما كثرت فكما انك تجد جانب النقصان ينتهي الى حد يكون منعدم الحدس فايقن ان جانب الزيادة يمكن ان ينتهي الى حد يستغني في اكثر احواله عن التفهم والتفكر فيحصل له العلوم دفعة ويحصل معه الوسائط والدلائل فيمكن اذا ان شخصا من الناس موطد النفس لشدة الصفاء وكمال الاتصال بالمبادي العقلية الى ان يستعمل حدسا في كل شيء فيرتسم فيه الصورة التي في العقل الفعال اما دفعة واما قريبا من دفعة ارتساما لا تقليديا بل يقينيا مع الحدود الوسطى والبراهين اللائحة والدلائل الواضحة

والفرق بالحدس والفكر ان الفكر هي الحركة للنفس في المعاني مستعينا بالتخيل في
اكثر الامر يطلب بها الحد الاوسط وما يجري مجراه مما يصار به الى علم بالمجهول
حالة الفقد استعراضا للمخزون في الباطن وما يجري مجراه فربما تلات الى المطلوب
وربما اثبتت واما الحدس فهو ان يتمثل الحد الاوسط في الذهن دفعة بان يعلم
العلة فيعلم المعلول او يعلم الدليل فيحصل له العلم بالمدلول دفعة او قريبا
من دفعة وهذا الحصول يكون تارة عقيب طلب وشوق وقد يكون من غير
طلب واشتياق بان يكون نفسا شريفة قوية مستضيئة في نفسها فيحصل له
العلوم ابتداء كانه لا يحتاج الى اختياره يكاد زيته يضيء ضوء الفطرة ولو لم تمسسه
نار بالفكرة ولا يفارق طريق الالهام والحدس طريق الاكتساب والفكر
في نفس العلم ولا في محله ولا في سببه لان محل العلم النفس سبب العلم العقل
الفعال او الملك المقرب ولكن يفارقه في جهة زوال الحجاب فان ذلك ليس
باختيار العبد ولم يفارق الوحي الالهام في شيء من ذلك بل في مشاهدة
الملك المفيد للعلم **سوال** فان قال قائل اذا كان هذه القوة الحدسية
موجودة في غير النبي فان الانسان يجد في نفسه هذا التحدس في مسائل
كثيرة لكل احد في صناعته حدوس فان شرط في البين ان يكون في جميع
المعقولات فهو شرط غير موجود فانه ربما يمتنع عليه الحدس في مسئلة
او مسائل وايضا فان عقله حينئذ يكون غير مشتبه عليه شيء ما من الغيب
والشهادة فيكون بعينه عقلا بالعقل فلا يحتاج الى وسط فلا يكون له حدس
وقد اثبتم له الحدس فهو خلف وان كان الحدس في بعض المسائل فقد
شاركه فيه غيره وليس بخاصة له وايضا ليس بعض المسائل اولى من بعض
وليس له حد محدود ويختص بالنبوة فلم يتعين الخاصية النبوية وايضا قد رتبتم

العقل اربع مراتب الهيولانى و الملكة و العقل بالفعل و العقل المستفاد ففى اى مرتبة توجد للنبى خاصية يتميز بها عن سائر الناس **الجواب** ان نقول من لم يثبت فى العقول الانسانية تضادا و ترتبا لم يستقم له اثبات هذه الخاصية اما التضاد فعقل النبى و عقل الكاهن و اما الترتب فكعقل النبى و عقل الصديق و المتضادان خصمان يحتاجان الى حاكم ليس فوقه حاكم و المترتبان ينتهيان بعقل ليس فوقه عقل و على الوجهين جميعا عقل النبى فوق العقول كلها و حاكم عليها و متصرف فيها و مخرجها من القوة الى الفعل و مكملها بالتكليف الى قصوى غايات الكمال اللائق لكل واحد منها فلا يمكن التنصيص على حد محدود و اما اذا كان يمكن ان يقال ان هذه القوة قابلة للزيادة و النقصان فعقل النبى فوق العقول كلها۔

الخاصية الثالثة التابعة للنفس فنقول قد ظهر لنا فى العلوم الالهية ان الصور التى هى فى الاجسام العالمية تابعة فى الوجود للصور التى فى النفوس و العقول الكلية و ان هذه المادة طلوع لقبول ما هو متصور فى عالم الغيب فان تلك الصور العقلية مبادى لهذه الصور الحسية يجب عنها بذاتها وجود هذه الانواع فى العوالم الجسمانية و الانفس الانسانية قريبة من تلك الجواهر و قد يجد لها فعلا طبيعيا فى البدن الذى لكل نفس فان الصور الارادية التى يرتسم فى النفس يتبعها ضرورة شكل قسرى للاعضاء و تحريك غير طبيعى و ميل غير غريزى مذعن لها الطبيعة و الصور الخوفية التى يرتسم فى الخيال عنها تحدث عنها فى البدن مزاج من غير استحالة عن محيل طبيعى سببه بنفسه و الصورة الغضبية التى يرتسم فى الخيال يحدث عنها فى البدن مزاج اخر من غير محيل سببية و الصورة المعشوقة عند القوة الشهوانية اذا لحت فى الخيال حدث عنها مزاج يحدث ريحا عن المادة الرطبة فى البدن و يحدده الى العضو الموضوع آلة للعقل الشهوانى حتى يستعد لذلك الشأن و ليست طبيعة

البدن الا من عنصر العالم ولولا ان هذه الطبائع موجودة فى جوهر العنصر لما وجد
فى هذا البدن ولا ينكر ان يكون من القوى النفسانية ما هو اقوى فعلا وتاثيرا
من انفسنا نحن حتى لا يقتصر فعلها فى المادة التى رسم لها وهو بدنها بل اذا
شاءت احدثت فى مادة العالم ما يتصوره فى نفسها ويكون مبدأ ذلك احداث
تحريك وتسكين وتبريد وتسخين وتكثيف وتليين كما يفعل فى بدنها فيتبع
ذلك ان يحدث سحب هاطلة ورياح وصواعق وزلازل وصياح مبيرة ويتبعه
مياه وعيون جارية وما اشبه ذلك فى العالم بارادة هذا الانسان الذى يقع له
هذا الكمال فى جبلة النفس ثم يكون خيرا متحليا بالسيرة الفاضلة ومحامد الاخلاق
وسير الروحانيين مجتنبا عن الرذائل ودنيات الامور فهو ذو معجزة من الانبياء
اى يدعى النبوة ويتحدى بها ويكون هذه الامور مقرونة بدعوى النبوة او كرامة
من الاولياء ويزيده تزكية لنفسه وضبطه القوى وسلاسلها من هذا المعنى
زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الاقصى فيصير كانه نفس ما للعالم والذى
يقع له هذا فى جبلته ثم يكون شريرا ويستعمله فى الشر فهو الساحر الخبيث
واعلم ان هذه الاشياء ليس القول بها والشهادة لها هى ظنون امكانية
صير اليها من امور عقلية فقط وان كان ذلك امرا معتمدا لو كان ولكنها
تجارب لما ثبت طلب اسبابها ومن حسن الاتفاق لمجئ الاستبصار ان يعرض
لهم هذه الاحوال فى انفسهم او يشاهدها مرارا متوالية فى غيرهم حتى يصير
ذلك ذوقا فى اثبات امور عجيبة لها وجود وصحة وداعيا له الى طلب سببها
فانه اذا اقترن الذوق بالعلم كان ذلك من اجسم الفوائد واعظم العوائد
والله ولى التوفيق۔

خاتمة لهذا الباب فى افضل النوع البشرى من اوتى الكمال فى حدس

النظرية حتى استغنى عن المعلم البشرى اصلا وامتى القوة المتخيلة استقامة وهمة لا يلتفت الى العالم المحسوس بما فيها حتى يشاهد العالم النفسانى بما فيه من احوال العالم ويستثبتها فى اليقظة فيصير العالم وما يجرى فيها متمثلا لها و متنقشا بها ويكون لقوته النفسانية ان يؤثر فى عالم الطبيعة حتى ينتهى الى درجة النفوس السماوية ثم الذى له الامران الاولان وليس الامر الثالث ثم الذى له هذه التهيؤ الطبيعى فى القوة النظرية دون العملية ثم يكتسب هذا الاستكمال فى القوة النظرية ولا حصة له فى امر القوة العملية من الحكماء مذكورين ثم الذى ليس له فى القوة النظرية لا تهيؤ طبيعى ولا اكتساب تكافى ولكن له التهيؤ فى القوة العملية فالرئيس المطلق والملك الحقيقى الذى يستحق بذاته ان يملك هو الاول من العمدة المذكورين الذين ان نسب نفسه الى عالم العقل وجد كانه يتصل به دفعة وان نسب نفسه الى عالم الطبيعة كان فعالا فيها ما يشاء والذى يتلوه رئيس كبير بعده فى المرتبة والباقون هم اشراف النوع الانسانى وكرامه واما الذين ليس لهم استكمال شئ من القوى الا انهم يصلحون الاخلاق ويعينون الملكات الفضيلية فهم الاذكياء من النوع الانسانى ليسوا من ذوى المراتب العالية الا انهم متميزون عن سائر اصناف الناس

امام رازی کی تقریر مذکورہ بالا کا خلاصہ

جو لوگ نبوت کے قائل ہین، ان مین دو فرقے ہین، ایک کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھین گے کہ اس کے پاس معجزہ ہے یا نہین اگر ہے تو وہ سچا نبی ہے، اور جب اس طرح اس کی نبوت ثابت ہو جائے گی تو جس بات کو وہ، حق کہے گا، ہم حق سمجھین گے، اور جسکو باطل کہے گا اسکو باطل، قدیم اور عام مذہب یہی ہے۔

دوسرے فریق کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہمکو خود یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ حق اور باطل کیا ہے اس کے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگون کو دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت مین یہ تاثیر ہے کہ لوگ باطل چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہین تو ہم سمجھین گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے، یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہے۔

اس دوسرے طریقہ کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہین، لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہئین۔

(۱) انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کی قوت نظری اور عملی دونون کامل ہون، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی کہ حقائق اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو، یعنی اُس کے ذہن مین جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت مین آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنی کہ نفس مین ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہون۔

(۲) دنیا مین تین طرح کے آدمی ہین ناقص یعنی جن کی قوت نظری اور عملی دونون ناقص ہے، یہ عوام الناس ہین، خود کامل ہین لیکن دوسرون کو کامل نہین کر سکتے یہ اولیاء اور صلحا ہین، خود کامل ہین دوسرون کو بھی کامل کر سکتے ہین یہ **انبیا** ہین۔

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال، و شدت و ضعف، نہایت مختلف ہین یہان تک کہ ان کی کوئی حد نہین قرار پا سکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہے، لیکن ضرور ہے کہ انھی مین کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔ اس کی تصدیق مختلف مثالون سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانون مین کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہین نقصان کی مدارج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ بعض انسان عقل اور ادراک مین بالکل حیوانون سے قریب ہوجاتے ہین، جب نقصان کی جانب یہ حالت ہے تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حالت ہو، یہان تک کہ انسانیت کی سرحد، ملکوتیت سے مل جائے۔

(۲) استقرا بھی اس کی شہادت دیتا ہے، اجسام عنصری کی تین قسمین ہین، معدن نبات حیوان ان مین سب سے افضل حیوان ہے، پھر نبات۔ پھر معدن۔ حیوان کے بھی بہت سے انواع ہین اور ان سب مین اشرف انسان ہے، اسی طرح انسان کے بھی بہت سے اصناف ہین مثلاً زنگی۔ ہندی رومی۔ شامی۔ فرنگی۔ ترک ان سب مین جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ مین سکونت رکھتے ہین وہ سب سے افضل ہین۔ اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود ان لوگون مین بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا جائے یہان تک کہ ایک ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف مین بھی سب سے افضل ہو۔ ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے، صوفیہ اسی کو قطب کہتے ہین اور سچ کہتے ہین کیون کہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوت نظریہ کی وجہ سے عالم ملکوت سے استفادہ کرتا ہے اور قوت عملیہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کرسکتا ہے تو عالم کا مقصود اصلی و اصل بھی انسان ہے، اور جب یہ شخص (یعنی قطب) اور تمام انسانون سے بھی بڑھکر ہے تو گویا اس تمام عالم عنصری کا حاصل بھی شخص ہے اس بنا پر اس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے، شیعہ اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہین۔ اور یہ کہنا انکا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہے اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہے اور چون کہ عام لوگ اسکے کمال سے واقف نہین اسلئے گویا وہ غائب عن العیان ہے۔

اسی قیاس پر ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہئے جو سب افضلون سے بھی افضل ہو، ایسا شخص سیکڑون ہزارون برس مین کہین جاکر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہے ایسے اشخاص بھی ہوتے ہین جوان فضائل مین پیغمبر سے کم لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین، یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہے امام سے جو کم رتبہ ہین، ان کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ حوادث یومیہ ہین جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین

(۵) پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہے۔ اس لئے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے، اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہے، اس کی قوت نظریہ کے آئینہ مین معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہین اس کی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کے تصرفات کرسکتی ہے اور اسی کا نام **معجزہ** ہے۔

اوپر ثابت ہوچکا کہ نفوس ناطقہ مختلف الماہیۃ ہین بعض کی قوت نظری نہایت کامل ہوتی ہے لیکن قوت عملی ضعیف ہوتی ہے، بعض اسکے برعکس ہوتے ہین بعض کو دونون مین کمال ہوتا ہے اور یہ شاذونادر ہے، بعض کی دونون قوتین ضعیف ہوتی ہین جیساکہ عوام الناس کا حال ہے۔

جب یہ مقدمات ثابت ہوچکے تو سمجھنا چاہئے روح کا مرض خدا سے اعراض اور دنیا مین انہماک ہے جو شخص اس امر کا طبیب ہوتا ہے یعنی لوگون کو خدا کی طرف توجہ دلاتا ہے اور دنیا سے ہٹاتا ہے وہی پیغمبر ہوتا ہے اوپر یہ بیان ہوچکا ہے کہ اس صفت مین اختلاف مراتب ہوتا ہے، اس لئے جس شخص مین یہ صفت درجۂ کمال پر پائی جائے گی وہ درجۂ نبوت مین بھی کمال درجہ پر ہوگا جس مین کم درجہ پر ہوگی اس کی نبوت کا درجہ بھی نسبتۃً کم ہوگا۔

قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہی طریقہ افضل اور اکمل ہے، چنانچہ ہم قرآن مجید کی بعض سورتین نقل کرکے اُنکی تفسیر کرتے ہین جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی،

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الخ چونکہ الٰہیات، اصل اور نبوات اسکی فرع ہے اسلئے قرآن مجید کا عام طریقہ یہ ہے کہ پہلے الٰہیات کا بیان ہوتا ہے، چنانچہ اس سورہ مین الٰہیات سے ابتدا کی، اور فرمایا کہ اپنے خدا کی تسبیح پڑھ جو سب سے برتر ہے، یعنی اس کو ممکنات سے کسی طرح کی مناسبت نہین کیونکہ تمام ممکنات مادہ وصورت یا جنس وفصل سے مرکب ہین اور اُن کی ذات یا صفات تغیر اور فنا کے قابل ہین، لیکن خدا ان تمام باتون سے برتر ہے۔

قرآن مجید مین خدا کے ثبوت کی جسقدر دلیلین مذکور ہین سب کا مدار صفات کے حدوث پر ہے (امام رازی کا یہ دعویٰ جو درحقیقت اشاعرہ کی آواز بازگشت ہے ہمارے نزدیک صحیح نہین، خدا کا ثبوت صفات کے حدوث پر مبنی نہین)۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (وہ خدا جسنے بنایا اور ٹھیک بنایا) اس سے جسم کے عجائبات مراد ہین وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (وہ خدا جسنے اندازہ کیا اور راہ دکھائی) اس سے روح کیطرف اشارہ ہے وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (اور وہ خدا جسنے چارہ پیدا کیا) اس سے نباتات کی طرف اشارہ ہے حاصل یہ کہ جماد، نبات، حیوان، روح سب خدا کے ثبوت کے دلائل ہین۔

الٰہیات کا ذکر ہوچکا تو **نبوات** کا بیان کیا، اوپر بیان ہوچکا کہ انبیا کا کمال چار چیزون مین ہے قوت نظری، قوت عملی، دوسرون کی قوت نظری کی تکمیل، دوسرون کی قوت عملی کی تکمیل چنانچہ ان چارون کو بہ ترتیب بیان کیا۔

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی (ہم تجکو پڑھادینگے کہ پھر تو نہ بھولیگا) یہ قوت نظری کے کمال کا بیان ہے یعنی اے پیغمبر تجکو نفس قدسی عطا کیا گیا ہے جو غلطی اور نسیان سے محفوظ ہے، البتہ اقتضائے بشریت اس سے مستثنیٰ ہے۔

وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی (اور ہم تجکو آہستہ آہستہ لائین گے آسانی کیطرف) اس سے قوت عملی کے کمال کیطرف اشارہ ہے یعنی تجھ مین ایسا ملکہ پیدا کرینگے کہ خود بخود تجھسے وہ کام سرزد ہونگے جو سعادت اور راحت دارین کا سبب ہین۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (تو لوگون کو سمجھا اگر سمجھانا مفید ہو) اس سے ناقصون کے اصلاح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سمجھانے سے یہی مراد ہے کہ ناقصون کی اصلاح کیجائے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ہر شخص مین اصلاح کی قابلیت نہین کیونکہ نفوس انسانی کے مدارج مختلف ہین بعضونکو سمجھانے سے فائدہ ہوتا ہے بعضونکو نہین، بعضونکو فائدہ کے بجاے الٹا نقصان ہوتا ہے کیونکہ سمجھانے سے اُنکے حسد، غیظ، غضب، اصرار اور ہٹ کو اور ترقی ہوتی ہے۔

اس کے بعد خدا نے دونون قسم کے آدمیون کی خاصیتین بیان کین چنانچہ فرمایا۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (وہ قبول کرے گا جس کو خدا کا ڈر ہے) یعنی جن لوگون مین اصلاح کی قابلیت ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ خوف الٰہی ہر وقت اُنپر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (اور نصیحت سے وہ بدبخت دور رہتا ہے جو بڑی آگ مین داخل ہونے والا ہے) یعنی جو بدبخت ہین وہ نصیحت سے متنفر ہوتے ہین اور اس وجہ سے دنیا مین بھی مبتلاے مصیبت رہتے ہین اور آخرت مین بھی۔

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (پھر یہ بدبخت نہ مرے گا نہ جیے گا) نہ مرنا اسلئے کہ انسان مرنے سے درصل نہین مرتا کیون کہ روح زندہ رہتی ہے، نہ زندہ رہنا اسلئے کہ ایسا جینا گویا جینا نہین

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (وہ کامیاب رہا جسنے نفس کا تزکیہ کیا) انبیا کی تعلیم کے دو مقصد ہوتے ہین شر کا مٹانا اور خیر کی تعلیم دنیا، مَنْ تَزَكّٰى سے پہلے مقصد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تزکیہ کے معنی اخلاق ذمیمہ کے زائل کرنے کے ہین۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور خدا کو یاد کیا اور نماز ادا کی) اس آیت مین تعلیم خیر یعنی علم و عمل کی تکمیل کا بیان ہے کیونکہ راس العلم خدا کی معرفت اور راس العبادات نماز ہے،

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (بلکہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہین) یعنی لوگ انبیا کی تعلیم سے اعراض کرتے ہین اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان پر دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے،

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت زیادہ بہتر اور پائدار ہے) آخرت کی ترجیح دو طرح ثابت کی

ایک یہ کہ روحانی لذت، جسمانی لذت پر مقدم ہے، دوسرے یہ کہ آخرت کی لذتین ابدی اور دائمی ہین۔

حاصل یہ کہ آیات مذکورہ مین چار چیزون کا بیان ہے، خدا کی ذات و صفات، نبوت کے اوصاف سعید و شقی کی تقسیم اور دونون کا انجام، دنیا پر عقبی کی ترجیح، اور یہی چار چیزین ہین جو علم و عمل کی بنیاد ہین پھر فرمایا اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (یہ بات پہلے صحیفون مین بھی ہے) یعنی جسقدر انبیا گذرے سب کی تعلیم کا مقصد یہی چار چیزین ہین۔

اسی طرح سورہ والعصر مین بھی انھی چیزون کا بیان ہوا ہے، چنانچہ ہم اسکی بھی تفسیر بیان کرتے ہین۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (بے شبہ انسان نقصان مین ہے) پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ انسان مین ۱۹ مختلف قوتین ہین دس حواس ظاہری و باطنی دو شہوت و غضب سات بناتی قوتین اور یہی وہ ۱۹ چوکیدار ہین جو جسم کے دو رخ پر متعین ہین، یہ قوتین سب کی سب انسان کو دنیا کی طرف کھینچتی ہین، صرف ایک عقل، روکنا چاہتی ہے اُس کی قوت ان سب کے مقابلہ مین ضعیف ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام انسان معرض خطر مین ہین صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہین جن کے پاس روحانی تریاق ہے یہ تریاق چار چیزون سے مرکب ہے پہلا قوت نظریہ کا کمال، اس کو ان لفظون مین بیان کیا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے) دوسرا قوت عملی کا کمال، چنانچہ اس آیت مین اسکی طرف اشارہ ہے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور وہ لوگ جنھون نے اچھے کام کئے) تیسرا لوگونکی قوت نظری کی تکمیل و اس آیت مین بیان کی وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ چوتھا قوت عملی کی تکمیل چنانچہ فرمایا۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یہان یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت مین صرف صبر کا ذکر ہے اور محض صبر سے قوت عملی کی تکمیل کیون کر ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر برائیان ہین دو چیزون کے نتائج ہین شہوت اور غضب شہوت ہر قسم کی بدکاریون کا سبب ہے اور غضب، خونریزی اور

لہ ترجمہ، اور لوگون کو نصیحت کی سچائی کی لہ ترجمہ، اور لوگونکو نصیحت کی صبر کی۔

سفاکی کا اسی بنا پر جب خدا نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتون نے کہا۔
اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ (کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہی جو خونریزی اور فساد کرے گا) تو جب انسان شہوت اور غضب کے روکنے پر قادر ہو گا اور اسی کا نام صبر ہے تو قوت عملی کی جس قدر خوبیان ہین سب خود بخود اس کو حاصل ہونگی۔
بہت سی آیتون سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبوت کے لئے صرف انھی اوصاف چہارگانہ کا پایا جانا کافی ہے، معجزہ کی ضرورت نہین، چنانچہ کفار نے جب رسول اللہ صلعم سے معجزات طلب کئے اور کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائین گے جب تک تم زمین سے چشمہ نہ جاری کر دو تو خدا نے فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (اے محمد کہدے کہ سبحان اللہ! مین تو صرف آدمی ہون اور پیغمبر ہون) یعنی پیغمبری کے لیے ان باتون پر قادر ہونا ضرور نہین بلکہ صرف قوت نظری اور عملی کا کمال کافی ہے۔
اسی سورۂ شعراء مین جب خدا نے کہا کہ قرآن مجید خدا کا کلام اور شیطان کا کلام نہین، تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مین تم کو بتاؤن کہ شیطان کس شخص کے پاس آتے ہین۔
تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ (وہ جھوٹون اور گنہگارون کے پاس آتے ہین) یعنی اگر یہ کلام شیطان کی طرف سے ہوتا تو شیطان چونکہ جھوٹ اور بدکاری کی تعلیم دیتا ہے اس لیے ضرور تھا کہ اس کلام کا پیش کرنے والا خود بھی جھوٹا اور بدکار ہوتا اور اسی کی تعلیم دیتا حالانکہ محمد تو ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین، اس آیت مین رسول اللہ کی نبوت پر جو استدلال کیا گیا ہے اس بنا پر کہ وہ ترک دنیا اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لئے اسی قدر کافی ہے، معجزہ کی ضرورت نہین۔
کفار یہ بھی کہتے ہین کہ محمد شاعر ہین اور ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے اسکو شاعری مین مدد دیتا ہے خدا نے اسکے جواب مین فرمایا کہ شعرا ہر کوچہ مین سرمارتے پھرتے ہین یعنی وہ لذات دنیوی کا ذکر کرتے ہین اور اسی کی ترغیب دلاتے ہین اور رسول اللہ خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہین

اسلیے شیطان ان کا شریک اور معین نہین ہو سکتا، ان تمام آیتون سے ثابت ہوا کہ نبوت کے اثبات کا یہ طرز اعلیٰ اور افضل ہے۔

پیغمبر کی دعوت کا طریقہ۔

نبوت کا اصلی مقصد لوگون کو دنیا سے اعراض اور عاقبت کی طرف توجہ کرنے کی تعلیم دینی ہے لیکن چونکہ انسان کو دنیاوی تعلقات سے گریز نہین اس لیے پیغمبر کو دنیوی معاملات پر بھی متوجہ ہونا پڑتا ہے مذہبی تعلیم کے متعلق جو پیغمبر کا فرض ہے اس کے مہمات اصول تین ہین

(۱) یہ بتانا کہ عالم حادث ہے، اور اس کا ایک صانع ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، جسکو ممکنات سے کسی طرح کی مشابہت نہین، جو کمال کے تمام اوصاف کا جامع ہے، جس کی قدرت تمام ممکنات مین ساری ہے، جس کا علم تمام اشیا، پر محیط ہے جو واحد اور یکتا ہے یعنی نہ اسکے اجزاء ہین، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ مقابل ہے، نہ اس کی بیوی ہے، نہ بچے ہین، اسکے بعد یہ بتانا کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے، اور یہ کہ خدا، ظلم اور ہر زہ کاری سے بالکل بری ہے، لیکن ان امور کی تعلیم کے لئے پیغمبر حسب ذیل طریقے اختیار کرتا ہے۔

(۱) ان عقائد کی تعلیم، مناظرہ اور مباحثہ کے طریقہ پر نہین دیتا کیون کہ اس طریقہ سے اعتراضات کا راستہ کھلتا ہے، اور پیغمبر اگر ان اعتراضات کے جواب مین مشغول ہو تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے اور اصل مقصد رہ جائے اس لئے پیغمبر دلائل کو خطابیات کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے جن مین ترغیب اور ترہیب بھی شامل ہوتی ہے۔ ترغیب و ترہیب کی وجہ سے دل مرعوب ہو جاتا ہے اور چون وچرا کی مجال نہین رہتی اور چونکہ فی نفسہ بھی وہ دلائل قوی ہوتے ہین اسلئے ارباب نظر کو بھی اسکے قبول سے چارہ نہین ہوتا۔

(۲) پیغمبر تنزیہ محض کی تعلیم نہین دیتا۔ کیون کہ تنزیہ محض عام لوگون کے خیال مین نہین آسکتی بلکہ وہ پہلے یہ بتاتا ہے کہ خدا ممکنات کی مشابہت سے منزہ ہے جیسا کہ

قرآن مجید مین ہے۔
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ پھر یہ بتاتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات پر غالب ہے، تمام اچھی باتین اسی تک منتہی ہوتی ہین، وہ عرش پر قائم ہے، لیکن ان پیچیدہ عقائد کے متعلق لوگونکو غور اور فکر سے بالکل روکتا ہے، ہان کوئی صاحب بصیرت ہو تو مضائقہ نہین پھر بتاتا ہے کہ انسان فاعل مختار ہے جس کام کو چاہے کر سکتا ہے جسکو نہ چاہے چھوڑ سکتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تلقین کرتا ہے کہ گو انسان کو خدا نے ہر طرح کا اختیار دیا ہے تاہم جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے، ایک ذرہ اُسکے حکم کے بغیر حرکت نہین کر سکتا۔
یہ دونون خیال اگرچہ بظاہر متناقض ہین لیکن وہ ان کو اسی طرح رہنے دیتا ہے اور لوگون کو ان پر غور و فکر کرنے سے روکتا ہے۔

چنانچہ جناب رسالت پناہ نے تعلیم کا بھی طریقہ اختیار کیا اور یہی طریقہ تمام طریقون سے بہتر ہے آپ نے سب سے پہلے خدا کی تنزیہ نہایت زور کے ساتھ بیان کی اور یہ آیتین پیش کین۔
واللہ الغنی وانتم الفقراء یعنی خدا بے نیاز ہے اور تم لوگ محتاج ہو، اس آیت سے خدا کا ہر چیز سے منزہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیون کہ جب غنی ہوگا تو اسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی اور جب کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی تو وہ مرکب ہوگا نہ متغیر، ورنہ اگر مرکب یا متغیر ہو تو اسکو اجزا یا مکان کی حاجت ہوگی۔
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اسکے مثل کوئی چیز نہین) اس سے ثابت ہے کہ خدا جسمانی نہین ورنہ اجسام کے مشابہ ہوتا۔ اسکے ساتھ خدا کے وجود کو بار بار بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا، یہ اس لئے ضرور تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ جب خدا نہ جسم ہے، نہ کسی مکان مین ہے، نہ جہت مین ہے، تو سرے سے ہو ہی گا نہین پھر آنحضرت نے یہ بیان کیا کہ خدا تمام معلومات کا عالم ہے۔
وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ

لیکن اس سے کچھ بحث نہین کی کہ علم کی یہ صفت عین ذات ہے یا غیر پھر فرمایا کہ انسان فاعل ہے، صانع ہے، خالق ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خیر و شر جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے ان دونون باتون مین بظاہر جو تناقض معلوم ہوتا ہے اسکی طرف کچھ توجہ نہین کی بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ ان پر اجمالی ایمان لاؤ۔

غرض آنحضرت کی تعلیم کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کو ہر طرح منزہ مانا جائے اور اُس کے متعلق کچھ غور نہ کیا جائے کہ اس سے تناقض لازم آتا ہے، اس مین راز یہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ انسان اپنے بُرے افعال کا آپ خالق ہے تو خدا ظلم کے الزام سے بچ جاتا ہے لیکن اسکی قدرت کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ افعال بد کا خالق بھی خدا ہی ہے تو گو قدرت کی وسعت ثابت ہوتی ہے لیکن خدا پر ظلم کا الزام آتا ہے، اس لئے آنحضرت نے یہ تعلیم کی کہ خدا کو تمام افعال کا خالق بھی مانا جائے اور ظلم اور جور سے بری بھی مانا جائے۔

ل امام رازی کی یہ تقریر اگرچہ بظاہر نہایت لغو اور دور از کار معلوم ہوتی ہے، وہ ایسی تعلیم کی عمدگی ثابت کرتی ہین جو بالکل متناقض اور متضاد یک دگر ہے، باقی یہ حکم کہ اس تناقض پر غور نہ کرو، کہان تک تعمیل کے قابل ہے غور اور فکر سے باز رہنا انسان کی اختیاری چیز نہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے انسان کی فطرت کو خوب سمجھا ہے، خود دیکھتے ہین کہ ہزارون لاکھون آدمی خدا کی نسبت یہ تسلیم کرتے ہین کہ وہ تمام چیزون کا خالق ہے کوئی چیز اسکے حکم اور مرضی کے بغیر وجود مین نہین آسکتی، ایک پتا اسکے اشارہ کے بغیر ہل نہین سکتا. باوجود اسکے یہ بھی مانتے ہین کہ خدا عادل ہے منصف ہے، رحیم ہے، فیاض ہے، تو جب ایسے متناقض خیالون کو لوگ تسلیم کرتے ہین اور انکو خیال تک نہین آتا کہ یہ دونون اعتقاد باہم متناقض ہین تو اگر اسکی تعلیم دیجائے تو کیا اعتراض کی بات ہے، اسمین بھی شبہ نہین کہ اس مسئلہ مین ایک خاص پہلو اختیار کرنے سے یا جبر یہ محض ہو جاتا ہے یا خدا کی عظمت و شان کا پورا اثر اسکے بعد نہین رہتا، اسلئے یہی جامع الاضداد طریقہ فطرت انسانی کے مناسب ہے لیکن پھر دل سے پوچھو تو مین انسان کو فاعل باختیار مانتا ہون اور باوجود اسکے خدا کی عظمت و شان مین کچھ فرق نہین آتا

دوسرا اصول انبیاء کی تعلیم کا یہ ہے کہ انسان کو تین طرح سے خدا کی عبادت کرنی چاہیئے دل سے اعضا سے مال سے، پہلی قسم کی عبادت، معارف اور اعتقادات ہیں، دوسری نماز روزہ وغیرہ تیسرے زکوۃ وغیرہ تیسرا اصول قیامت اور واقعات قیامت پر ایمان لانا۔

یہ تین چیزیں انبیاء کی تعلیم کا اصل الاصول ہیں۔

عبادات دینی کی دو قسمیں ہیں، امور حسنہ کی تحصیل، امور قبیحہ کا ازالہ، دوسری قسم پہلی پر مقدم ہے کیونکہ ایک لوح پر اگر کوئی غلط تحریر ہو تو پہلے اس کے مٹانے کی ضرورت ہوگی۔ اس بنا پر سورہ بقرہ میں فرائض مذہبی کے جو مراتب ہفتگانہ مذکور ہیں، ان میں سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہے۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کیونکہ اتقا امور قبیحہ سے بچنے کو کہتے ہیں، باقی مراتب میں یہ ترتیب ہے کہ روح کا مرتبہ جسم سے مقدم ہے اور جسم کا مرتبہ مال سے اسلئے پہلے

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ فرمایا کیونکہ ایمان اور اعتقاد کا روح سے متعلق ہے، پھر نماز کا ذکر کیا۔

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کیونکہ نماز جسمانی اعمال میں داخل ہے، پھر زکوۃ کا بیان کیا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کیونکہ زکوۃ مال سے متعلق ہے، یہ چاروں امور الہیات سے متعلق تھے انکا بیان ہو چکا تو نبوت کے متعلقات بیان کئے چنانچہ فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ اس میں آنحضرت پر ایمان لانیکا ذکر ہے، پھر فرمایا۔

وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یعنی انبیاء سابقین پر ایمان لانا بھی مشروط ہے۔ جب الہیات اور نبوات کا بیان ہو چکا اور ماضی حال مستقبل تینوں زمانہ کے متعلق جو فرائض ہیں انکی تفصیل ہو چکی تو فرمایا اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں) مقصد یہ کہ جب تک آدمی دنیا میں ہو مسافر ہے اور مسافر کے لئے ضرور ہے کہ راستہ کے علامات اور حالات معلوم ہوں، اس بنا پر ان لوگوں کی شان میں جو فرائض مذکورہ پر کاربند ہیں فرمایا کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہیں، اور یہی لوگ مرنے کے بعد کامیاب بھی ہوں گے یعنی (منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

(اس تقریر کے بعد امام صاحب کہتے ہین کہ دعوت اسلام کا یہ طریقہ بہترین طرق ہے، اور اگر مین شریعت اسلامی کے نکات اور لطائف کی تفصیل بیان کرون تو ایک دفتر ہوجائے گا اس لئے اختصار پر قناعت کرتا ہون)۔

فصل چہارم | اس امر کے بیان مین کہ آنحضرت افضل الانبیا رہین۔

اوپر بیان ہوچکا کہ پیغمبر وہ ہوتا ہے جو نفوس انسانی کا علاج کرتا ہے، اس بنا پر جس شخص مین یہ وصف زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا، اسی قدر وہ پیغمبری مین بھی کامل ہوگا، اب انبیائے سابقین کے حالات پر غور کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا اثر بنو اسرائیل تک محدود رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم قریبًا بالکل بے اثر رہی، جو لوگ آج عیسایت کی مدعی ہین وہ تثلیث کے قائل ہین، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے تثلیث کی تعلیم نہین دی تھی، اس بنا پر جو لوگ عیسائی کہلاتے ہین وہ بھی درحقیقت عیسائی نہین اب رسول اللہ صلعم کی نبوت پر غور کرو۔ آنحضرت سے پہلے تمام عالم گمراہی مین مبتلا تھا، بت پرست پتھر پوجتے تھے، یہود خدا کو مجسم مانتے تھے مجوسی دو خدا مانتے، اور ماؤن اور بیٹون سے نکاح کرتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے صابی ستارہ پرست تھے، اس لحاظ سے تمام عالم گمراہ اور برگشتہ تھا، آنحضرتؐ کا پیدا ہوتا تھا کہ تمام ادیان باطلہ غبار بنکر اڑ گئے، اور آفتاب توحید کی روشنی تمام دنیا مین پھیل گئی اس سے علانیہ ثابت ہے کہ آنحضرت کی دعوت اور ہدایت کا اثر تمام انبیائے سابقین سے بڑھکر تھا، اس لئے آپ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیا سے اعلیٰ اور افضل ہین۔ آنحضرت کے افضل الانبیا ہونے کی یہ دلیل لمی دلیل ہے یعنی پہلے نبوت کی حقیقت بیان کی گئی پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ وصف جس کمال کے درجہ پر آپ کی ذات مین تھا اور کسی پیغمبر مین نہ تھا۔

فصل پنجم | اس بیان مین کہ نبوت کی صحت پر اس طریقہ سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہے بہ نسبت اسکے کہ معجزات سے استدلال کیا جاے۔

معجزہ سے نبوت پر استدلال کرنا برہان انی ہے یعنی اثر سے موثر پر استدلال کرنا جو اور جو

طریقہ ہم نے ابھی بیان کیا، یہ برہان لمی ہے جس سے اصل نبوت کی حقیقت بھی ظاہر ہوجاتی ہے اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت امراض روحانی کے طبیب ہین اور امراض روحانی کے طبیب ہی کو پیغمبر کہتے ہین۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگا کہ آنحضرت کا منطق و فلسفہ و ہندسہ و طب وغیرہ سے واقف ہونا ضرور نہین بلکہ یہ چیزین، استغراق اور توجہ الی اللہ مین خلل انداز ہوتی ہین، اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو نبوت پر وارد ہوتے ہین اور جنکا ذکر اوپر گذر چکا خود بخود اُٹھ جاتے ہین مثلاً یہ اعتراض کہ ہر پیغمبر انبیاے سابقین کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے اور یہ بالکل لغو بات ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہین، عقلی اور وضعی عقلی مین نسخ نہین ہوتا کیون کہ وہ صرف خدا کی تقدیس، اور خلق اللہ کی خیر خواہی کا نام ہے اور یہ نسخ کے قابل نہین اسی بنا پر قرآن مجید مین آیا ہے کہ۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر متفق ہوجائین جو ہم دونون کے نزدیک مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجین۔

شریعت کا دوسرا حصہ یعنی احکام اور قانون، یہ البتہ نسخ کے قابل ہے اور اس مین مصلحت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو ایک مدت سے کرتا آتا ہے تو پھر اس مین اگر باقی نہین رہتا وہ اس کام کو برنباے عادت کرنے لگتا ہے، نہ برنباے رغبت و شوق، اس لئے نسخ کے ذریعہ سے ایک حدت آجاتی ہے اور لوگ اس کام کو شوق اور رغبت سے کرنے لگتے ہین، باقی یہ اعتراض کہ شریعتون مین جو تھوڑا سا اول بدل ہوتا ہے اسکے لئے قتل اور خونریزی کا جائز رکھنا پسندیدہ نہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ جزئیات مین اگر ایسا نہ کیا جائے تو کلیات بھی لوگ نہ مانین گے (لیکن میرے نزدیک شریعت اسلامی مین حفاظت خود اختیاری کے سوا، کسی حالت مین قتل اور خونریزی کی اجازت ہی نہین، شبلی نعمانی)

سب سے اخیر اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید مین تشبیہ کے الفاظ بہت وارد ہین جن سے

خدا کا جسمانی اور مکانی ہونا ثابت ہوتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیہ محض، عام لوگون کے خیال مین آہی نہین سکتی تھی اس لئے بین بین کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

معارج القدس کی عبارت مذکورۂ بالا کا ماحصل

نبوت اور رسالت

اس مسئلہ مین امور ذیل سے بحث ہے۔

۱۔ کیا نبوت کی حد اور حقیقت بیان کی جاسکتی ہے؟۔

۲۔ نبوت کوئی اکتسابی چیز ہے یا الہامی؟۔

۳۔ نبوت پر استدلال۔

۴۔ نبوت کے خواص جنکو معجزات کہتے ہین۔

۵ تبلیغ نبوت کی کیفیت۔

پہلی بحث،

نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ضرور نہین کہ اس کی حدِ تام بیان کی جائے، سیکڑون ہزارون چیزین ہین جن کی جنس و فصل، حد اور حقیقت ہمکو معلوم نہین، باوجود اس کے ہم اسکے مفہوم کو سمجھتے اور جانتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کا جاننا، حد تام، یا جنس و فصل کے جاننے پر موقوف نہین، عقل، روح، اور غیر مادی اشیاء کا تصور ہم کرتے ہین اور اُن کی حقیقت کو بالکل نہین جانتے۔

فرض کرو کوئی شخص اگر خود کسی پیغمبر سے نبوت کی ماہیت، اور اس کی جنس و فصل پوچھتا، تو کیا پیغمبر نبوت کی حد و رسم کے بتانے مین مشغول ہوتا؟ اور کیا اگر پیغمبر ایسا نہ کرتا تو اس شخص کو یہ حق ہوتا کہ جب تک پیغمبر نبوت کی حد تام نہ بتائے وہ ایمان نہ لائے۔

نبوت۔ ایک وصف ہے جو انسانیت سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے

انسان حیوانات کو مسخر کرتا ہے، لیکن حیوانات یہ عذر نہین پیش کر سکتے کہ جب تک ہمکو انسان کی حقیقت اور ماہیت نہ بتائی جائے ہم انسان کی اطاعت نہ کرین گے۔ عام انسانون اور پیغمبر مین بھی یہی نسبت ہے فرعون نے حضرت موسیٰ سے بار بار خدا کی ماہیت اور حقیقت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ نے حقیقت کچھ نہین بتائی بلکہ صرف اس کی قدرت کے آثار بتائے جس کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی حد و حقیقت بتائی نہین جا سکتی اور خدا پر ایمان لانے کے لئے حد و حقیقت کا معلوم ہونا ضروری نہین۔

دوسری بحث | نبوت کوئی اکتسابی چیز نہین بلکہ خدا جس شخص مین یہ قابلیت پیدا کرتا ہے، وہی نبی ہوتا ہے، قرآن مجید مین ہے۔

اَللّٰہُ یَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی خدا ہی جانتا ہے کہ پیغمبری کے لئے کسکو انتخاب کرے البتہ ریاضت فکر و مجاہدہ لوازم نبوت سے ہین جن کی وجہ سے نبی، وحی کے قابل ہوتا ہے، اس کی یہ مثال ہے کہ انسان کا انسان ہونا کوئی اکتسابی چیز نہین، با این ہمہ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین ان مین کسب اور مجاہدہ کو دخل ہوتا ہے اسی طرح نبوت گو کوئی اکتسابی چیز نہین لیکن نبی عبادت اور مجاہدہ کرتا ہے تب اسپر نبوت کے آثار مرتب ہوتے ہین اسی بنا پر آنحضرت عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤن پر ورم آجاتا تھا۔

نبی فطرۃً معتدل مزاج اور پاکیزہ صورت ہوتا ہے، اسکی اٹھان اور ترتیب عمدہ ہوتی ہے اس مین شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، اسکے چہرہ سے نور ٹپکتا ہے، حلم، وقار، تواضع، راست گوئی دیانت داری، اسکی فطرت ہوتی ہے، وہ ہر قسم کی رذائل اور دنی باتون سے بری ہوتا ہے، عفو، احسان صلہ، رحم، حفظ غیب، حسن جوار، اعانت مظلوم، یہ تمام اوصاف اس مین بالطبع پائے جاتے ہین، وہ بالطبع اچھی باتون کو پسند اور بری باتون سے نفرت کرتا ہے، وہ مغرور، جابر، درشت خو اور کج خلق نہین ہوتا چپ رہتا ہے تو لوگون پر اسکا رعب چھا جاتا ہے، بات کرتا ہے تو اسپر کوئی گرفت نہین کر سکتا، اسکی حرکت و سکون دونون مین سنجیدگی پائی جاتی ہے، تمام لوگ

طوعًا اور کرہًا اسکے سامنے سر جھکا دیتے ہین۔

تیسری بحث | نبوت کا ثبوت۔

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین اجمالی و تفصیلی چنانچہ ہم دونون کو الگ الگ بیان کرتے ہین، یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کو جو چیز تمام حیوانات سے الگ کرتی ہے وہ نفس ناطقہ ہے، یہی چیز ہے جس کی بدولت انسان حیوانات سے فایق ہے، اور مسخر کرتا ہے، ان پر ہر طرح کا تصرف کرتا ہے، اسی طرح انبیا مین ایک خاص عقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام انسانون سے ممتاز نظر آتے ہین تمام انسان انکے محکوم اور تحت التصرف ہوتے ہین اور جس طرح انسان کے افعال اور حرکات حیوانات کے لئے معجزہ ہین یعنی حیوان کبھی انسان کی قوت فکری اور عقلی کا ہمسر نہین ہوسکتا، اسی طرح انبیا سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ عام انسانون کے لئے معجزہ ہوتے ہین یعنی اور لوگون سے وہ افعال سرزد نہین ہوسکتے جس طرح نبی کی عقل اوردون سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح اسکا نفس، اُسکی طبیعت، اسکا، مزاج بھی تمام لوگون سے ممتاز اور نفوس ملکی کے مشابہ ہوتا ہے۔

جس طرح ہر حیوان، انسان نہین ہوسکتا، اسی طرح ہر آدمی نبی نہین ہوسکتا، خدا ہی جانتا ہے کہ کس شخص مین نبی ہونے کی قابلیت ہے اور کس مین نہین، خدا جس شخص کو نبوت کے لئے انتخاب کرتا ہے اسکی عقل اسکی طبیعت، اس کا مزاج بھی منتخب ہوتا ہے یعنی اور لوگون کی عقل، مزاج، اور طبیعت سے اسکو کچھ نسبت نہین ہوتی، وہ صورۃً انسانونکے مشابہ ہوتا ہے لیکن معنیً سب سے الگ ہوتا ہے، وہ بشر ہوتا ہے لیکن اسکی بشریت، وحی کے قابل ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس آیت مین قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ مین انھی دونون باتون کی طرف اشارہ ہے۔

تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہین۔

پہلا طریقہ | انسان مین تین قسم کی قوتین مانی جاتی ہین **فکری۔ قولی۔ عملی**، ان قوتونسے جو

افعال سرزد ہوتے ہین وہ اچھے بھی ہوتے ہین اور بُرے بھی، ان دو متضاد حالتون کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے، فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہین، قول کو صادق و کاذب کہتے ہین عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہین۔

یہ امر ظاہر ہے کہ تمام افعال قابل عمل نہین ہین اور نہ سب قابل ترک، بلکہ بعض قابل عمل ہین اور بعض قابل ترک،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابل عمل اور قابل ترک کی تمیز آیا ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہین کر سکتا یا بعض کر سکتے ہین اور بعض نہین پہلے دونون احتمال بداہۃً باطل ہین، اس لئے صرف تیسرا احتمال باقی رہا یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہین جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہین کہ فلان افعال عمل کے قابل ہین، اور فلان نہین، یہی لوگ پیغمبر اور بانی شریعت ہوتے ہین۔

دوسرا طریقہ یہ امر ظاہر ہے کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کے بغیر نہین ہو سکتی اگر یہ آپس مین تعاون اور تعاضد نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے، نہ اسکی نوع نہ اسکا مال نہ اسکی عزت، اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول اور آئین ہین انھی کو شریعت کہتے ہین اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقاے نوع اور بقاے جان و مال کے لیے روٹی کپڑے کی ضرورت ہے تعاون اور تمانع تعاون کے ذریعہ سے انسان اپنی خوراک، لباس، اور مسکن اور دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے اور تمانع کے ذریعہ سے اس کی جان مال اولاد خطرات سے محفوظ رہتی ہے لیکن اس تعاون اور تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہئے یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ایسا دستور العمل اور ضابطہ نہین بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے مناسب حال اور ہر ہر شخص کی ضروریات کا کفیل ہو، ایسا ضابطہ صرف وہ شخص وضع کر سکتا ہے جسکو قوت قدسیہ حاصل ہو جس کو ان روحانیات سے فیض پہونچتا ہو جنکے ہاتھ مین نظام عالم کی باگ ہے، یہ شخص رموز مذہب سے آگاہ ہوتا ہے، ہر بات مین حق کا پیرو ہوتا ہے، ہر شخص سے اسکی سمجھ کے موافق خطاب کرتا ہے لوگون کو ان کی استطاعت کے

موافق، احکام کی تکلیف دیتا ہے، یہی شخص پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ | اس طریقہ کے سمجھنے کے لیے مقدمات ذیل ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔

(۱) چون کہ ممکن کا وجود و عدم برابر ہے اس لئے ممکن کے وجود میں آنے کے لئے مرجح کا ہونا ضرور ہے، جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، یہی مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے۔

(۲) ہر قسم کی حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے جو حرکت کی تجدید کرتا رہتا ہے حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لئے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے۔

ارادی حرکت کی بھی دو قسمیں ہیں، خیر و شر پہلی قسم کے لیے ضرور ہے کہ اس کا محرک صاحب عقل و تدبیر ہو، اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا یعنی خدا نے ہر آسمان میں بذریعہ وحی کے اپنا حکم بھیجا۔

(۳) جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی بھی ضرورت ہے جو ٹھیک راستہ بتائے تاکہ وہ حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے خیر کو شر سے تمیز کر سکے۔

(۴) خدا کے حکم دو قسم کے ہیں تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور نظام کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ — آفتاب، چاند، ستارے سب اسی کے حکم کے تابعدار ہیں

بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ — ہاں خلق اور امر دونوں خدا ہی کے لئے ہیں۔

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ + اے لوگو اپنے خدا کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا۔ مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں، اس لئے مرجح کی ضرورت

ہے۔ اختیاری ہین اس لئے عقل کی ضرورت ہے محتمل الخیر والشر ہین، اس لئے رہنما کی ضرورت ہے اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے۔

نظام عالم مین خدا کا تدبیری حکم جو نافذ ہے، ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اس قیاس پر انسانون پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی کسی کے ذریعہ سے ہوگا اُسی کا نام پیغمبر ہے۔

باقی جن لوگون کا یہ خیال ہے کہ امر و نہی، ترغیب و ترہیب، تنبیہ و تہدید، انبیا خود اپنی طرف سے کرتے ہین، خدا کو اس سے واسطہ نہین، اور خدا کی طرف ان افعال کی نسبت مجازاً ہے تو یہ لوگ انبیا کو (نعوذ باللہ) کاذب اور خائن قرار دیتے ہین۔

جب یہ مسلم ہے کہ خدا تمام عالم کا بادشاہ ہے، اور بادشاہ عموماً امر و نہی، تنبیہ و تہدید، ترغیب و ترہیب کرتے ہین تو خدا سے یہ امور کیون بعید ہین۔

نبوت کے خواص۔ نبوت کے تین خاصے ہین ایک قوت تخیل سے متعلق ہے دوسرا قوت نظری سے تیسرا قوت عملی سے، پہلی خاصیت کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(امام غزالی نے یہان یونانی فلسفہ کا ایک مسئلہ بیان کیا ہے اور اسکو بہت پھیلا کر لکھا ہے لیکن وہ مسئلہ نہایت لغو اور مہمل ہے اور اس کی دلیل اُس سے زیادہ مہمل، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ یونانیون کے نزدیک افلاک، ذی روح ہین، اور تمام کلیات و جزئیات کی صور علمیہ ان کے نفس مین مرتسم ہین، اس بنا پر وہ عالم جزئیات و کلیات ہین، انسان کو جو علم ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صور علمیہ جو افلاک کے نفوس اور جواہر مجردہ مین مرتسم ہین وہی انسان کے نفس ناطقہ مین مرتسم ہو جاتے ہین کیونکہ نفس ناطقہ چونکہ مجرد ہے اس لئے اس کو عقول مجردہ اور نفوس افلاک سے اتصال ہوتا ہے، لیکن امام صاحب کا اصلی استدلال اس مسئلہ کے ماننے پر موقوف نہین، وہ قوت متخیلہ سے استدلال کرتے ہین اور قوت متخیلہ کے وجود سے کسی کو انکار نہین ہے)۔

قوت متخیلہ مین جو اشیاء کی صورتون کے مرتسم ہونے کی قابلیت ہے [illegible]

بعض آدمیون مین یہ قابلیت قوی ہوتی ہے، بعض مین کمزور، اور بعض مین بالکل ندارد،
قوت متخیلہ جب قوی ہوتی ہے، تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً اسمین
صورتین مرتسم ہونی شروع ہوتی ہین، قوت متخیلہ کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ایک صورت
پر قناعت نہین کرتی، ایک صورت کو چھوڑکر وہ دوسری صورتین پیدا کرنی شروع کرتی ہے
جو پہلی صورت کے مشابہ یا مخالف ہوتی ہین، مثلاً انسان ایک شے کو آنکھون سے دیکھ رہا
ہے، دیکھتے دیکھتے اس کا خیال ایک ذرا سے تعلق سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوجاتا ہے
پھر اُس چیز سے ایک اور چیز کی طرف، یہان تک کہ پہلی چیز بالکل بھول جاتی ہے اسی حالت مین
پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس چیز کا کیون تصور ہوا تھا اسطرح پھر سلسلہ بہ سلسلہ پہلے خیال
کی طرف واپس آجاتا ہے۔

یہ قوت بعضون مین اسقدر مستحکم اور قوی ہوتی ہے کہ جو صورت خیال مین آتی ہے وہ قائم رہتی
ہے، اور اُس سے ہٹ کر دوسری صورتون کی طرف منتقل نہین ہوتی، اس قسم کی قوت
سے جو خواب نظر آتا ہے وہ محتاج تعبیر نہین ہوتا۔

قوت متخیلہ عموماً اس وقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس بیکار ہوتے ہین اسی بنا پر نیند کی
حالت مین یہ قوت زیادہ تر کام کرتی ہے کیونکہ اسوقت حواس ظاہری معطل رہتے ہین، لیکن بعض
آدمیون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین
بھی وہ اپنا کام کرتی ہے، اور اس لئے بیداری مین بھی ان کو وہ باتین نظر آتی ہین جو اور
لوگون کو خواب کی حالت مین نظر آتی ہین۔

قوت متخیلہ کو جو صورتین نظر آتی ہین کبھی وہ ان مین تصرف کرکے حس مشترک کے حوالہ کرتی
ہے اس صورت مین انسان عجیب و غریب خدائی صورتین اور آوازین مشاہدہ کرتا اور
سنتا ہے، یہ صورتین اور آوازین بالکل محسوسات کے مثل ہوتی ہین، یہ نبوت کا ادنیٰ درجہ ہے[1]

[1] انبیا کی اس قوت کو قوت متخیلہ کے بجائے قوت قدسیہ کہنا زیادہ صحیح ہے، ۱۲ شبلی نعمانی۔

اس سے ترقی ہوکر یہ حالت پیدا ہوتی ہے، کہ قوت متخیلہ ان صورتون مین کسی قسم کا تصرف نہین کرتی اور بعینہ وہی صورتین حس مشترک مین آتی ہین۔

اس سے بڑھکر یہ کہ قوت متخیلہ، اور قوت عقلی اور عملی، ایک ساتھ کام کرتی ہین، اور یہ درجہ نبوت کا وہ درجہ ہے جو قوت عقلی عملی اور خیالی تینون کا جامع ہے، قرآن مجید کے قصون پر خیال کرو، کس طرح ایک ایک جزئی واقعہ بیان کیا ہے، گویا تمام واقعات آنحضرت کے آنکھونکے سامنے تھے، اور یہ تمام واقعات بالکل سچ ہین۔

یہ امر کہ جو صورتین قوت متخیلہ مین مرتسم ہوتی ہین وہ حس مشترک مین آکر آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین اس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ مجانین کو دیکھو، وہ جو کچھ تخیل کرتے ہین، آنکھو سے نظر آنے لگتا ہے، اصل یہ ہے کہ قوت متخیلہ، عقل اور حس دونون قوتون کے درمیان مین واقع ہے حس، قوت متخیلہ کے سامنے محسوس صورتین پیش کرکے اسکو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے عقل کا یہ کام ہے کہ قوت متخیلہ کو غلط تخیلات سے روکتی ہے، ان دونون قوتون کی کشمکش اور مزاحمت مین قوت متخیلہ اپنا اصلی کام آزادی سے نہین کرسکتی، لیکن جب ان مین سے ایک کا زور کم ہوتا ہے، تو قوت متخیلہ آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے مثلاً جب قوت حسیہ کا بار اُسپر نہین پڑتا تو وہ عقل پر غالب آکر اپنے خاص کام مین مشغول ہوتی ہے یعنی صورتون کو اصلی صورت مین حس مشترک کے حوالہ کرتی ہے، نیند مین یہی کیفیت ہوتی ہے، یا مثلاً جب عقل کی حکومت سے اس کو نجات ملتی ہے تو قوت حسیہ پر غالب آکر خیالی صورتون کو اس طرح حس مشترک مین بھیجتی ہے کہ وہ آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین چنانچہ جنون اور خوف کی حالت مین ایسا ہی ہوتا ہے، اسی بنا پر ان حالتون مین مجانین کو وحشت ناک صورتین نظر آتی ہین۔ اسی بنا پر واقعات غیب کی خبر جو لوگ دیتی ہین اسی حالت مین دیتے ہین جب اُنکے قوائے حسیہ باطل ہوجاتے ہین اور اُنپر صرع یا غشی طاری ہوتی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ زیادہ کام کرتے کرتے تھک جاتی ہے، اس صورت مین

وہ محسوسات کو بالکل نظر انداز کردیتی ہے، اور اس وجہ سے نفس ناطقہ سے اتصال ہوتا ہے اور صور مجردہ کو وہ مشاہدہ کرتی ہے، کاہن جو واقعات آیندہ کی پیشین گوئیاں کرتے ہین اسی حالت مین کرتے ہین، یہان یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جب مجانین، کاہن، آسیب زدہ بھی، واقعات آیندہ کی پیشین گوئی کر سکتے ہین تو نبوت کو کیا ترجیح ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تخیل کے مراتب مختلف اور ضد یک دیگر ہین یہانتک کہ بعض حکما کا قول ہے کہ تخیل کا اعلی درجہ یہ ہے کہ روح کو اس نفس سے اتصال ہو جائے جو فلک قمر کی مدبر اور واہب الصور ہے، اور تمام وہ صورتین اسمین مرتسم ہوسکین جو نفس فلکی مین مرتسم ہین (یہ وہی ارسطو کا خیال ہے کہ افلاک صاحب ادراک ہین اور جو صور علمیہ ان مین مرتسم ہین وہ سب انسان کے نفس ناطقہ مین بھی مرتسم ہو سکتے ہین) یہ تخیل کا اعلی درجہ ہے۔

تخیل کا ادنی درجہ حیوانات مین پایا جاتا ہے اور بعض حیوانات مین مطلقاً یہ قوت نہین ہوتی۔ یہ اختلاف قوت وضعف کی بنا پر تھا، تباین اور تضاد کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ بعض تخیلات سچے اور صحیح ہوتے ہین اور انکا مخرج نفوس مقدسہ ہوتے ہین، بعض بالکل جھوٹے اور فتنہ انگیز اور انکا مخرج نفوس خبیثہ ہوتے ہین، بعض دونون کے بین بین، یہ بات بھی یہان جاننے کے قابل ہے، کہ عقل، خیال اور حس، کے مختلف اقسام ہین، عقل[1] محض۔ جسمین مطلق خیال کی آمیزش نہین۔ خیال[2] محض جس مین عقل کا لگاؤ نہین، عقل[3] جو بالکل خیال ہے۔ خیال[4] جو بالکل عقل ہے حس[5] جو خیال سے پیدا ہوتی ہے خیال[6] جو حس سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض علم بالکل ظن کے مشابہ ہوتے ہین اور بعض ظن علم کے ہم پایہ ہوتے ہین۔ قرآن مجید کی اس آیت مین وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ دوسری قسم کے ظن کا ذکر

---

[1] یہ فقرہ امام غزالی کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے۔

"قرآن مجید مین جن کا جہان ذکر آیا ہے، ظن کے لفظ سے آیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا وجود اور انکا تصور خیالی ہے اور اُن کی صورتین صرف خیال کو نظر آسکتی ہین اور چونکہ خیال حس اور عقل کے درمیان مین ہے، اس لیے جو چیز خیالی ہوگی، وہ جسمانی اور روحانی کے بین بین ہوگی جیسے اجنہ اور شیاطین، اور جو چیز وسط مین ہوتی ہے، وہ یا تو طرفین سے مرکب ہوتی ہے یا دونون سے الگ ہوتی ہے۔

نبوت کی دوسری خاصیت | یہ خاصیت قوت نظری کی تابع ہے۔

اشیاے مجہولہ کے ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ چند معلوم باتون کو ترتیب دیتے ہین اس ترتیب سے ایک مجہول بات معلوم ہو جاتی ہے، مثلاً ہمکو معلوم تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے یہ بھی معلوم تھا کہ جس چیز مین تغیر ہوتا رہتا ہے وہ فانی ہے، ان دونون مقدمات کو جب اسطرح ترتیب دی کہ عالم متغیر ہے اور جو متغیر ہے فانی ہے تو یہ نتیجہ نکلا کہ عالم فانی ہے، یہ نتیجہ ہمکو پہلے معلوم نہ تھا لیکن جن مقدمات کی ترتیب سے معلوم ہوا وہ پہلے سے معلوم تھے، ان مقدمات کو صغریٰ اور کبریٰ کہتے ہین، اور جو جزو دونون مقدمون مین مشترک ہوتا ہے اس کو حد اوسط کہتے ہین۔

اشیاے مجہولہ کا علم دو طریقہ سے ہوتا ہے فکر اور حدس، فکر مین ذہن، مقدمات معلومہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، حد اوسط کو تلاش کرتا ہے، سب کو ملا کر ترتیب دیتا ہے ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، حدس مین دفعتہً تمام مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور اُنسے فوراً نتیجہ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت مین بھی حرکت فکری وقوع مین آتی ہو لیکن یہ حرکت اسقدر جلد اور غیر نمایان ہوتی ہے کہ ذہن اس کو مطلق محسوس نہین کرتا حدس مین کم و کیف دونون اعتبار سے اختلاف مراتب ہوتا ہے بعض آدمیونکو اکثر حدس ہوتا ہے، بعض آدمیون کو نہایت جلد ہوتا ہے یعنی ذرا سا غور کرنے سے فوراً مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور ساتھ ہی نتیجہ بھی ذہن مین آجاتا ہے حدس کے مراتب نہایت مختلف ہین بعض ایسے کودن ہوتے ہین کہ سیکڑون دفعہ غور کرنے سے بھی انکا ذہن نتیجہ کی طرف

منتقل نہین ہوتا بعض کا ذہن جلدی سے منتقل ہوتا ہے بعض کا اس سے بھی زیادہ دیکھو الی غیر النہایۃ۔

حدس کا جو سب سے انتہائی درجہ ہے وہ نبوت کا خاصہ ہے، نبی کو جو اشیا کا علم ہوتا ہے مقدمات کی ترتیب اور استنباط سے نہین ہوتا بلکہ خود بخود دفعتہً اس کے دل مین القا ہو جاتا ہے یہان یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ قوت نبی کے سوا اور لوگون مین بھی ہوتی ہے، جو شخص کسی فن کا ماہر ہوتا ہے اس فن کے متعلق اکثر امور دفعتہً اسکے ذہن مین آجاتے ہین، تو نبی کو ترجیح کیا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس قوت مین اختلافِ مدارج ہے تو نبوت کا خاصہ وہ حدس ہے جو ان مدارج کی اخیر انتہا ہے۔

نبوت کا تیسرا حصہ یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ خیال اور تصور کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ انسان پر جب خوف طاری ہوتا ہے تو جسم پر ایک خاص حالت طاری ہوتی ہے غصہ کی حالت مین دوسرا اثر ہوتا ہے ایک محبوب صورت کا خیال دل مین آتا ہے تو اعضا مین ایک اور قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوائے نفسانی جسم پر اثر کرتے ہین، اب جس طرح نفس کا اثر اپنے جسم پر ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعض نفوس ایسے قوی ہون کہ انکا اثر صرف اُن کے جسم پر محدود نہ ہو بلکہ اور اجسام پر بھی اثر کرین جس سے تبرید یا تحریک یا سکون۔ یا تکثیف، یا تلیین، حاصل ہو اور انکا یہ نتیجہ ہو کہ بادل پیدا ہو جائین، یا زلزلہ آجائے یا چشمہ جاری ہو جائے۔

اس قسم کی قوت جن نفوس مین ہوتی ہے وہ اگر نیک، اور پاکیزہ اخلاق ہون تو یہ افعال معجزہ یا کرامت کہلاتے ہین ورنہ سحر اور جادو، یہ قوت تزکیۂ نفس اور ریاضت سے ترقی کر سکتی ہے اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ امور فرضی نہین ہین، بلکہ چونکہ تجربون سے انکا ثبوت ہوا ہے اس لئے اُن کے اسباب سے بحث کی گئی، اگر کسی شخص مین یہ قوت خود موجود ہو، اور وہ ان افعال کے اسباب پر غور کرے تو اسکو وجدان اور دلیل دونون

ں ہونگے -

[illegible] نوع بشری مین سب سے افضل وہ ہے جس کی قوت حدسیہ اسقدر قوی ہو کہ اس کو تعلیم و
کی بالکل حاجت نہ ہو اور قوت متخیلہ اسقدر صحیح اور مضبوط ہو کہ محسوسات اُس کو اپنی طرف متوجہ
کرنے پائین، بلکہ نفس سے جو ادراکات پیدا ہوتے ہین وہ مجسم ہو کر سامنے آئین - اور
قوت نفسانی اسقدر قوی ہو کہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکے یہان تک کہ اجرام علوی بھی اسکے
دسترس مین آجائین -

اس درجہ سے اُتر کر وہ شخص ہے جسمین صرف دو پہلی باتین ہون، اس سے کم وہ جس کی صرف
قوت نظری قوی ہو، اُس سے کم وہ جسکی صرف قوت عملی قوی ہو -

جس شخص مین تینون باتین پائی جائین وہ گویا شہنشاہ ہے، عالم علوی سے اسکو یہ نسبت ہے کہ
جب چاہے اس عالم مین شامل ہو جائے عالم نفسانی کا وہ گویا رہنے والا ہے، اور عالم اجسام پر
ہر قسم کا جاہے تصرف کر سکتا ہے -

اس سے کم درجہ پر جو شخص ہے وہ دوسرے درجہ کا بادشاہ ہے اس سے کم درجہ کے لوگ شرفا
امت ہین -

جنمین کسی قسم کی قوت نہ ہو لیکن اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی قابلیت ہو وہ اذکیائے امت
ہین جو عام آدمیون سے ممتاز ہین -